ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 14)
پتھریلا راز
(تحریر حسام بٹ)
عقیل قریشی - یاسر حسین
ناصر بلوچ - صائم بھائی
محمد سجاد بھٹی
سسپنس ڈائجسٹ : دسمبر 2009

پتھریلا راز

ملک صفدر حیات

کچھ لوگ وقت کو اپنی مٹھی میں قید کر لینے کی خواہش میں خود ہی لمحوں کے اسیر ہو جاتے ہیں اور بالآخر زندگی کی خوش رنگ تتلیوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے قبر کے دہانے پر پہنچ کر چونک جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی زندگی کے خوشگوار لمحوں کو کسی راز کے مانند اپنے ساتھ ہی قبر میں دفن کر لینا چاہتا تھا لیکن...... جن رازوں کو افشا ہونا ہو وہ خفیہ کیسے رہ سکتے ہیں۔ ایک ایسا راز جو منکشف ہو کر بھی پردے میں رہا۔

ملک صفدر حیات کی ڈائری سے ایک کرشماتی پتھر کا فسانۂ حیرت

اس روز صبح ہی سے مطلع ابر آلود تھا۔ رات بھر وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی تھی۔ جب میں تھانے میں آ کر اپنی کرسی پر بیٹھا تو اس وقت بھی بوندا باندی کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ ماہِ اگست کے الوداعی ایام تھے یعنی بھادوں اپنے جوبن پر تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں حوالدار حیدر علی میرے کمرے میں آ گیا۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا اور میرے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ان دنوں میں جنوبی پنجاب کے ایک نواحی گاؤں موضع بخشی پور کے تھانے میں تعینات تھا۔ اس تھانے کی حدود میں بخشی پور کے علاوہ کمال گنج، نیا فقیر والا، ندی پور اور رستم آباد نامی گاؤں دیہات بھی آتے تھے لیکن چونکہ بخشی پور تھانے کے بہت قریب صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا لہٰذا عام طور پر اسے بخشی پور کا تھانہ ہی کہا اور سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی دلچسپی کے لیے بتا تا چلوں کہ اس تھانے کا عملہ کل پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ یعنی میں، حیدر علی، اور تین کانسٹیبلز جن کے نام رمضان، سکندر اور رؤف تھے گویا اس تھانے کی حدود میں واقع پانچ گاؤں کا نظم و نسق مجھے انہی چار اہلکاروں کی مدد سے چلانا تھا اور میں یہ فرض دو سال سے بخوبی نبھا رہا تھا۔

حیدر علی سے تھوڑی دیر تک حالیہ برساتی موسم پر گفتگو ہوتی رہی اگر کوئی ہمیں یوں بیٹھے دیکھ لیتا تو اس کے ذہن میں پہلا تاثر یہی ابھرتا کہ ہمیں فرصت ہی فرصت ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ میرے علاقے میں جرائم پیشہ افراد نے ہڑتال کر رکھی ہو۔ گاہے بگاہے وارداتیں تو ہوتی رہتی تھیں لیکن اس صبح میں واقعی کوئی کام نہیں تھا...... پھر ایک سنسنی خیز کام نکل آیا۔

کانسٹیبل رمضان نے کمرے میں آ کر اطلاع دینے والے انداز میں بتایا۔ ''ملک صاحب! ایک بوڑھی عورت آپ سے ملنے آئی ہے۔''

میں نے چونک کر حیدر علی کی طرف دیکھا۔ برسات کے اس موسم میں بھلا کوئی عورت مجھ سے ملنے کیوں آئی تھی اور وہ بھی بوڑھی...... میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی حوالدار نے کانسٹیبل سے پوچھ لیا۔

''رمضان! وہ بوڑھی عورت کون ہے؟''

''اس نے اپنا نام مائی سگی بتایا ہے۔'' کانسٹیبل نے جواب دیا۔ ''کہتی ہے پورا گاؤں اسے جانتا ہے......''

''اوہ......!'' حوالدار نے گہری سانس خارج کی اور بولا۔ ''اچھا...... تو یہ اللہ رکھا مرحوم کی گھر والی مائی سگی ہے!''

''جی ہاں، جی ہاں......'' کانسٹیبل نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''رمضان! مائی سگی کو فوراً میرے پاس بھیجو، دیکھوں تو سہی اتنے خراب موسم میں اسے مجھ سے ایسا کون سا کام پڑ گیا ہے!''

کانسٹیبل رمضان میکانکی انداز میں اباؤٹ ٹرن ہوا اور چند سیکنڈ کے بعد مائی سگی میرے سامنے موجود تھی۔

صغریٰ بی بی عرف مائی سگی کی عمر لگ بھگ ساٹھ سال رہی ہوگی۔ اس عمر میں انسان کی صحت جیسی ہو سکتی ہے وہ بھی ویسی ہی تھی۔ قد درمیانہ اور جسم دبلا پتلا۔ بات چیت اور چہرے کے تاثرات سے وہ خاصی تر و تازہ نظر آتی تھی۔ میرے اشارے پر وہ دیوار کے ساتھ رکھی ایک چوبی بینچ پر بیٹھ گئی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے ایک بڑی سی چادر اوڑھ رکھی تھی جو اب بھیگ چکی تھی۔ بوندا باندی نے چادر کو بھگو کر اس کے لباس کو بچا لیا تھا۔ بھیگی ہوئی چادر کو بھی

اس نے اپنے قریب ہی بینچ پر رکھ دیا اور متوحش انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں میں ایک خاص نوعیت کی دہشت نظر آرہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے اس نے کوئی ڈراؤنا منظر دیکھ لیا ہے۔
میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔ ''ہاں مائی بتاؤ، تم مجھ سے کیا کہنے آئی ہو۔ یقیناً کوئی بہت ہی ضروری کام ہوگا جو برستی بارش میں تمہیں گھر سے نکل کر میرے پاس آنا پڑا؟''
''کام بہت ضروری ہے جناب......'' اس نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا پھر متذبذب انداز میں حوالدار حیدر علی کی طرف دیکھنے لگی۔
مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ حوالدار کی موجودگی میں مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا، اس کا مسئلہ خاصا سنگین نوعیت کا ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ ''مائی، بتاؤ، وہ ضروری کام کون سا ہے؟''
''تھانے دار جی۔ میں تنہائی میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''
بات ختم کرتے ہی اس نے ایک مرتبہ پھر ملتجیانہ نظر سے حوالدار کی جانب دیکھا۔ وہ جو کچھ بھی چاہ رہی تھی یہ اس کا حق تھا لہٰذا میں نے آنکھ کے اشارے سے حیدر علی کو کمرے سے باہر جانے کے لیے کہہ دیا۔ وہ زبان سے ایک لفظ ادا کیے بغیر خاموشی سے اٹھا اور میرے حکم کی تعمیل کردی۔ میں نے تنہائی میسر آتے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ہاں مائی، اب بتاؤ۔ کیا معاملہ ہے تمہارے ساتھ؟''
وہ متذبذب انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے مستفسر ہوئی۔ ''آپ میری بات کا یقین تو کریں گے نا۔ کہیں آپ میرا مذاق تو نہیں اڑائیں گے......؟''
''میرا دماغ خراب نہیں ہوا جو میں تمہارا مذاق اڑاؤں گا۔'' میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''اور جہاں تک تمہاری بات پر یقین کرنے کا تعلق ہے تو میں جب تک تمہاری کہانی سن نہ لوں، یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں اس لیے......''
میں نے تھوڑا سا رک کر ایک گہری سانس خارج کی اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس لیے تمہیں جو بھی کہنا ہے، جلدی اور صاف صاف کہہ ڈالو۔ میں پوری توجہ سے تمہاری کہانی سن رہا ہوں......تم یہاں آؤ اور شروع ہو جاؤ۔''
میں نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس اکلوتی کرسی کی جانب اشارہ کردیا جہاں تھوڑی دیر پہلے حوالدار بیٹھا ہوا تھا۔ مائی سگی نے میرے اشارے کی تعمیل کی تو میں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔
''تھانے دار جی! میں نے ایک مردے کو قبرستان سے فرار ہوتے دیکھا ہے۔''
میں نے ایک جھٹکے سے چونک کر مائی سگی کو دیکھا اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ ''یہ کب کی بات ہے مائی؟''
''پچھلی رات کی بات ہے جی۔'' اس کی سنجیدگی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔
میں نے پوچھا ''تم پچھلی رات قبرستان کیا لینے گئی تھیں؟''
''میں تو قبرستان نہیں گئی تھی......''
''پھر......؟'' میری حیرت میں اضافہ ہوگیا۔
وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''تھانے دار جی! بات دراصل یہ ہے کہ میرا گھر گاؤں کے آخری کنارے پر واقع ہے۔ اس کے بعد قبرستان شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے گھر کے صحن میں کھڑے ہو کر یہ کارروائی دیکھی تھی۔''
لفظ کارروائی پر اس نے اچھا خاصا زور ڈالا تھا۔ اول تو اس کی یہ بات ہی ناقابلِ ہضم تھی کہ کوئی مردہ قبر میں سے نکل کر فرار ہوگیا تھا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں یہی آیا کہ اس نے کوئی خواب وغیرہ دیکھ لیا ہوگا لیکن حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اس کی کہانی سننا بہت ضروری تھا لہٰذا میں نے سنجیدہ لہجے میں دریافت کیا۔
''مائی سگی، تمہاری بات پر یقین کرنے کے لیے مجھے تفصیل میں جانا ہوگا۔ تم ذرا وضاحت سے بیان کرو کہ گزشتہ رات تم اپنے گھر کے صحن میں کھڑی کیا کر رہی تھیں اور وہ رات کا کون سا وقت تھا۔ تم نے جس مردے کا ذکر کیا ہے، وہ کدھر سے آیا تھا اور کس جانب فرار ہوا تھا۔ میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں، تم بولتی جاؤ......!''
اس نے بڑی امید بھری نظر مجھ پر ڈالی اور بتانے لگی۔ ''تھانے دار جی! آپ کو پتا ہے، پچھلی رات وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی ہے اس لیے میں صحن میں نہ سو سکی ورنہ میں گرمی کے موسم میں باہر ہی سوتی ہوں۔ رات کو میں نے کمرے کے اندر چارپائی لگائی تھی۔ مچھروں نے بڑا پریشان کیا، صحیح طرح نیند نہ آسکی۔ بس سمجھیں کہ سوتی جاگتی رہی۔''
وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئی پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولی۔
''رات کے آخری پہر جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ایک حیرت بھرا منظر دیکھا۔ میں کمرے کے اندر چارپائی پر پڑی تھی اور صحن والا نلکا (ہینڈ پمپ) چلنے کی آواز آرہی تھی۔ میں گھر میں اکیلی ہی ہوتی ہوں، میرا گھر والا اللہ رکھا کوئی

آٹھ سال پہلے فوت ہوگیا تھا اور ہماری کوئی اولاد بھی نہیں۔

مجھے بڑی حیرانی ہوئی اور ڈر بھی لگا کہ نلکا کون چلا رہا ہے۔ میں ڈرتی ڈرتی اٹھی اور کمرے کے دروازے میں کھڑے ہوکر باہر صحن میں دیکھا اور اسی وقت میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا......"

بولتے بولتے وہ اچانک رکی اور متوحش نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "مائی سگی! تم نے ایسا کیا دیکھ لیا تھا۔ ابھی تھوڑے دیر پہلے تم نے نلکا چلنے کا ذکر کیا ہے۔ کیا تمہارے ڈر کا تعلق اسی نلکے سے ہے؟"

"جی...... جی ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور خوف زدہ انداز میں بتانے لگی۔ "میں نے ایک لاش کو نلکا چلاتے اور پاؤں دھوتے ہوئے دیکھا...... اس منظر نے مجھے جیسے پتھر کا بنا دیا۔ میں بے جان سی ہوکر اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس لاش نے بڑی تسلی سے اپنے پاؤں دھوئے پھر نلکے کے قریب ہی رکھا ہوا ایک تھیلا اٹھایا اور نہر کی جانب چلی گئی۔"

مجھے مائی سگی کی ذہنی صحت پر شک ہونے لگا۔ وہ لاش کے حوالے سے جو کچھ بیان کر رہی تھی، وہ احمقانہ اور ناقابل یقین تھا۔ میں چونکہ اس کی پوری روداد سننا چاہتا تھا اس لیے ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور پوچھا۔

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگالیا کہ وہ کوئی لاش ہی تھی، یہ بھی تو ہوسکتا ہے، وہ کوئی آدمی ہو...... زندہ آدمی؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ بڑے وثوق سے بولی۔ "وہ کوئی زندہ انسان نہیں ہوسکتا۔ میں نے اسے سر سے پاؤں تک سفید کفن میں لپٹے ہوئے دیکھا تھا، بالکل جیسے کسی مردے کو کفن میں لپیٹا جاتا ہے۔"

"جب وہ لاش سر سے پاؤں تک سفید کفن میں لپٹی ہوئی تھی تو پھر پاؤں کیسے دھو رہی تھی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "وہ نلکا کیسے چلا رہی تھی؟"

"یہ تو مجھے پتا نہیں جی......" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔ "میں نے جو کچھ دیکھا وہ آپ کو بتا دیا...... مجھے تو یہ کوئی بہت ہی پراسرار چکر لگتا ہے تھانے دار صاحب!"

"چکر تو واقعی بڑا پراسرار ہے اور میں اس کی تہ تک بھی پہنچ کر رہوں گا۔" میں نے شک زدہ نظر سے مائی سگی کو گھورا۔

وہ فوراً میری نگاہ کا مفہوم سمجھ گئی، پوچھنے لگی۔ "تھانے دار جی! آپ کہیں یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میں آپ سے جھوٹ بول رہی ہوں؟"

"نہیں...... بالکل نہیں۔" میں نے اس کی تسلی کے لیے فوراً کہہ دیا۔ "میرے خیال میں تم ایک سمجھدار عورت

قائداعظم

وقت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ یکم جولائی 1948ء کو وہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی تقریب افتتاح کے سلسلے میں تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ وزراء اور سرکاری افسران کی کرسیاں ان کی عدم موجودگی کے باعث خالی پڑی تھیں۔

قائداعظم نے حکم دیا کہ "خالی کرسیاں یہاں سے ہٹا دی جائیں اور دیر سے آنے والے وزرا، افسران اور اہلکار کھڑے ہوکر تقریر سنیں۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تقریب کے بعد دیر سے آنے والے تمام افراد نے قائداعظم سے معذرت کی۔

محمد مبین اجن کھڑا، ضلع خیر پور، سندھ

ہو۔ تم مجھ سے غلط بیانی نہیں کرسکتی ہو۔" میں نے لمحاتی توقف کیا پھر پوچھا۔ "مائی! کیا تم رات کو سونے سے پہلے گھر کا بیرونی دروازہ بند نہیں کرتی ہو جو کوئی بھی منہ اٹھا کر تمہارے صحن میں آجاتا ہے اور نلکے پر پاؤں دھو کر واپس چلا جاتا ہے، چاہے وہ کوئی لاش ہی کیوں نہ ہو؟"

"وہ جی...... شاید آپ نے میرا گھر نہیں دیکھا جب ہی یہ سوال کر رہے ہیں......!" وہ بڑی سادگی سے بولی۔

"ہاں واقعی، میں نے تمہارا گھر نہیں دیکھا۔" میں نے کہا۔ "کیا کوئی خاص بات ہے؟"

میں نے اپنے انداز سے سگی کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس کی فضول باتوں پر مجھے یقین نہیں۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ میں گہری سنجیدگی سے اس کا مسئلہ سن رہا ہوں۔ وہ میرے سوال کے جواب میں بولی۔

"تھانے دار جی! دراصل، میرے گھر کا کوئی داخلی دروازہ نہیں ہے۔ دو کمرے ہیں اور چار دیواری کے نام پر ایک چھوٹی سی دیوار کھنچی ہوئی ہے۔ سامنے والا حصہ بالکل کھلا ہے۔ کوئی دروازہ یا گیٹ لگانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ ہمارے پاس ہے کیا جو کوئی چور ادھر کا رخ کرے گا۔ میری اکیلی جان ہے وہ سب جانتے ہیں کہ میں بڑی مشکل سے گزارہ کرتی ہوں۔ جناب! آپ تو دروازے کی بات کرتے ہیں، میرے گھر کے دونوں کمروں کے آگے تو برآمدہ بھی نہیں ہے۔ اللہ رکھا زندہ ہوتا تو شاید......!"

اس نے جملہ ادھورا چھوڑا اور اپنے مرحوم شوہر کی یادوں میں کھوگئی۔ میں نے چند لمحات کے لیے اسے یونہی گم

گشتہ رہنے دیا پھر پوچھا۔
"اللہ رکھی! جب تم کئی سالوں سے تن تنہا رہ رہی ہو تو تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے، انسان زندہ ہو تو اسے ہر شے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کھانا پینا، کپڑا لتا وغیرہ......؟"
میں لاش والے موضوع سے ہٹ کر سگی کی ذات میں اس لیے دلچسپی لے رہا تھا تا کہ وہ ذہنی طور پر مجھ سے ہم آہنگ ہو جائے اور میں اس کی زبان سے کام کی کوئی بات اگلوانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ یہ ایک طرح کا نفسیاتی حربہ یا ہتھکنڈا تھا۔
"میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں تھانے دار جی!" وہ سر کو اثباتی جنبش دے کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ اگر اللہ رکھا اپنے پیچھے پانچ کلے (ایکڑ) زمین نہ چھوڑ گیا ہوتا تو پتا نہیں، میرا حشر کیسا خراب ہوتا۔" وہ چند لمحات کے لیے متوقف ہوئی، ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔
"اللہ رکھا جب تک زندہ رہا، اس زمین پر خود ہی کھیتی باڑی کرتا تھا لیکن یہ کام میرے بس کا نہیں تھا لہٰذا اللہ رکھا کی موت کے بعد میں نے یہ زمین حصے پر ایک مزارع کو دے دی۔ کچھ عرصے تک تو اس مزارع نے کسی حد تک ایمانداری دکھائی اور مجھے فصل کا حصہ دیتا رہا پھر اس نے مختلف حیلوں بہانوں سے ڈنڈی مارنا شروع کر دی۔ مجھے جیسے ہی اس کی بدنیتی کا احساس ہوا، میں نے اس سے زمین چھڑا کر ایک دوسرے مزارع کو ٹھیکے پر دے دی۔ یہ طریقہ میرے لیے زیادہ محفوظ تھا۔ فصل اچھی ہو یا بری، اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے طے شدہ اجناس مل جائیں کافی ہے، جب سے میں نے مزارع تبدیل کیا ہے، مطمئن اور خوش ہوں۔"
میں پوری توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا پھر ایک مرتبہ دوبارہ اس لاش والے قصے کی طرف آ گیا اور تصدیق طلب انداز میں مائی سگی کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"رات کے آخری پہر، مچھروں اور بے آرامی کے سبب تمہاری آنکھ کھل گئی۔ تم نے اپنے گھر کے صحن میں نلکا چلنے کی آواز سنی۔ جب تم نے اٹھ کر دیکھا تو تمہیں سفید کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش نظر آئی جو نلکا چلا کر اپنے پاؤں دھو رہی تھی۔ تم حیرت اور خوف سے اسے یہ کارروائی کرتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ جب لاش اپنے کام سے فارغ ہو گئی تو اس نے نلکے کے قریب ہی زمین پر پڑا ہوا ایک تھیلا اٹھایا اور نہر کی جانب جانے والے راستے پر ہولی۔ میں نے رات والا واقعہ بیان کرنے میں کوئی غلطی تو نہیں کی؟"
"نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "ہو بہو ایسا ہی پیش آیا تھا۔"
"تمہیں یہ واقعہ بڑا عجیب اور پراسرار محسوس ہوا......" میں نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس لیے تم صبح ہوتے ہی میرے پاس چلی آئی ہو تا کہ میں اس معاملے کی تحقیق کروں، ہے نا یہی بات؟"
"جی...... جی ہاں، یہی بات ہے۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔
میں نے پوچھا۔ "تم نے اس واقعے کے بارے میں اور کس کس کو بتایا ہے؟"
"کسی کو نہیں جی۔" وہ اضطراری انداز میں بولی۔ "کوئی میری بات کا یقین ہی کہاں کرتا۔ سب مجھے جھلی مائی سمجھتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے، عمر کے ساتھ ساتھ میری مت ماری گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں کوئی پاگل عورت ہوں پھر میرے ذہن میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آپ......"
وہ معنی خیز انداز میں متوقف ہوئی اور گہری سنجیدگی سے بولی۔ "آپ ایک تجربہ کار اور سمجھدار انسان ہیں۔ آپ میری بات کا بھروسا کریں گے اور اس سلسلے میں ضروری کارروائی بھی کریں گے لہٰذا میں صبح تک آپ ہی کے بارے میں سوچتی رہی اور انتظار کرتی رہی کہ یہ نامراد بارش رکے تو میں اس واقعے کی اطلاع آپ تک پہنچاؤں لیکن یہ کم بخت وقفے وقفے سے جاری ہے۔ بہرحال میں بھیگتے بھاگتے آپ تک پہنچ ہی گئی ہوں۔"
میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے مائی سگی! اب تک اگر تم نے کسی کو اس واقعے کے بارے میں نہیں بتایا تو اب آگے بھی زبان بند ہی رکھنا۔ میں اپنے طور پر اس عجیب و غریب معمے کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" پھر میں نے کمرے سے باہر نظر دوڑائی اور اضافہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔
"اب بارش تھمی ہوئی ہے۔ تم اطمینان سے گھر جاؤ اور اس سلسلے میں ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں سنبھال لوں گا سارے معاملے کو۔"
اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے رخصت ہو گئی۔
مائی سگی کے جاتے ہی حوالدار حیدر علی میرے پاس آ گیا۔ اس حوالے سے حیدر علی کے ذہن اور دل میں تجسس تو جاگ اٹھا تھا کہ مائی سگی برستی بارش میں مجھے کون سی کہانی سنانے آئی تھی۔ اس نے آتے ہی اس بارے میں مجھ سے سوال بھی کر ڈالا۔

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے سگی کے بیان کردہ واقعے سے آگاہ کیا۔ اس معاملے کو فی الحال صیغۂ راز میں رکھنے کی تلقین کی اور آخر میں پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے حیدر علی...... کیا کوئی لاش کسی قبر سے نکل کر اس طرح فرار ہوسکتی ہے کہ جاتے ہوئے وہ کسی نلکے کو چلا کر اپنے کیچڑ زدہ پاؤں بھی دھو ڈالے؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''میں اس قسم کی فضول باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔''

''تو پھر مائی سگی نے کس کو دیکھا تھا؟'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''وہ کون تھا جو رات کے آخری پہر اس کے نلکے پر پاؤں دھو رہا تھا؟''

''میرا تو یہ خیال ہے جناب......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس جھلی مائی نے صبح کے وقت کوئی اوٹ پٹانگ خواب دیکھ لیا ہے اور اس خواب کو حقیقت جانتے ہوئے وہ سمجھ رہی ہے کہ کفن میں لپٹی ہوئی کسی لاش نے اس کے صحن میں نلکا چلا کر اپنے پیر دھوئے ہیں۔''

''میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں حیدر علی۔'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''یہ بات عین ممکن نظر آتی ہے کہ سگی نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہو لیکن ہمیں اس معاملے کے کسی بھی پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیا اس واقعے کا کوئی اور پہلو بھی ہوسکتا ہے؟'' حوالدار سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''ہاں......'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں ایک خاص زاویے سے سوچ رہا ہوں۔''

''کون سا زاویہ؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''فرض کرو......'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''مائی سگی نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ واقعی کوئی لاش قبر سے نکل کر فرار ہوئی ہے...... میں ان خطوط پر سوچ رہا ہوں کہ یہ ہوسکتا ہے کسی شخص نے خود کو سفید لبادے میں چھپا رکھا ہو، وہ رات کے آخری پہر قبرستان سے نکلا ہو، اس کے ہاتھ میں کوئی تھیلا ہو، اس نے کیچڑ زدہ پاؤں دھونے سے پہلے وہ تھیلا نلکے کے قریب زمین پر رکھ دیا ہو اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ تھیلا اٹھا کر نہر کی جانب بڑھ گیا ہو۔''

میں ان مفروضات کی مدد سے یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ حوالدار کے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔ اس نے چند لمحات کے لیے میرے اٹھائے ہوئے نکات پر غور کیا اور بڑے مدلل انداز میں جواب دیا۔

''ملک صاحب! اگر سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا آپ بیان کررہے ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص کون تھا جو رات کے آخری پہر قبرستان سے برآمد ہوا اور بڑے پراسرار انداز میں نہر کی جانب بڑھ گیا پھر یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ اس کے تھیلے میں کیا تھا؟''

''بالکل درست!'' میں نے تائیدی انداز میں کہا۔ ''ہمیں اس مشکوک بندے کو تلاش کرنا ہے۔ جب وہ ہماری گرفت میں آجائے گا تو پھر یہ پتا چلانا مشکل نہیں ہوگا کہ اس کے تھیلے میں کیا تھا اور...... اس تلاش کے سلسلے میں ہمیں دو مقامات کو بڑی احتیاط سے چیک کرنا ہوگا۔''

''کون سے دو مقامات ملک صاحب؟'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے وضاحت کرتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''پہلا مقام تو قبرستان ہے جہاں سے وہ نامعلوم شخص برآمد ہوا تھا اگر اس کے تھیلے میں کوئی اہم شے بھری ہوئی تھی تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس نے کسی قبر کو کھودا ہوگا۔ جادوٹونا اور دیگر سفلی عملیات کے لیے عاملوں کو بعض اوقات مردوں کی ہڈیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ بھی اسی قسم کا کوئی کیس ہوسکتا ہے۔'' میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک گہری سانس خارج کی اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اور دوسرا مقام نہر کا کنارا ہے...... وہ مائی سگی کے تکلے سے پاؤں دھوکر نہر کی جانب روانہ ہوا تھا۔ نہر کے ساتھ تھوڑا آگے شمال کی طرف خانہ بدوشوں کی جھگیاں ہیں۔ عین ممکن ہے ہمارا مطلوبہ شخص انہی جھگیوں سے تعلق رکھتا ہو۔ ان خانہ بدوشوں میں سادھو، جوگی اور عملیات وغیرہ کے ماہر بھی ہوتے ہیں۔ اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ گندا عمل کرنے والے کسی عامل نے قبرستان سے ہڈیاں چرائی ہوں۔''

''ملک صاحب! اس تھیوری کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وہ کوئی شخص ہی تھا اور کوئی شے چرانے قبرستان میں گھسا تھا۔'' حوالدار نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''ظاہر ہے!'' میں نے اثبات میں گردن ہلادی۔ ''میں مائی سگی کی سنائی ہوئی مردے کے فرار والی کہانی پر قطعاً یقین نہیں رکھتا۔''

ہم دونوں میں بڑی حد تک اتفاق رائے پایا جاتا تھا۔ باہمی صلاح ومشورے کے بعد ہم نے یہی طے کیا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم نہر کا رخ کریں گے اور واپسی میں قبرستان کو بھی چیک کرلیں گے۔

دراصل میرا تھانہ ایک نیم پختہ سڑک پر واقع تھا اور موضع بخشی پور جانے کے لیے تھانے سے جنوبی سمت میں ایک فرلانگ کا کچا راستہ طے کرنا ضروری تھا۔ بخشی پور کے اندر سے گزرنے کے بعد قبرستان آتا تھا جبکہ بخشی پور کے اختتام پر مغربی جانب ایک چھوٹی نہر شمالاً جنوباً بہتی تھی جو تھانے والی نیم پختہ سڑک کے نیچے سے گزرتی تھی اگر ہم اسی سڑک پر مغربی سمت سفر کرتے تو آدھی فرلانگ سے بھی کم فاصلے پر نہر کا پل آجاتا جہاں سے ہم نہر کے کنارے جنوبی طرف سفر کرکے بہ آسانی خانہ بدوشوں کی جھگیوں تک پہنچ سکتے تھے اور واپسی میں قبرستان کو ٹچ کرتے ہوئے، بخشی پور کے اندر سے گزرکر تھانے آجاتے۔

اس مشن کی تیاری کے سلسلے میں، میں نے حوالدار حیدر علی کو چند ضروری ہدایات دیں اور دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا۔

☆☆☆

ہم نے جو پروگرام ترتیب دیا تھا، اس پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ جیسے ہی میں دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوا، ایک کانسٹیبل نے میرے کمرے میں آکر بتایا کہ چودھری علی نواز مجھ سے ملنے آیا ہے۔ میں نے فوری طور پر چودھری کو اپنے پاس بلالیا۔

چودھری علی نواز کو بخشی پور میں چھوٹے چودھری صاحب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ''تھا'' کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ چند روز قبل اس کے والد صاحب چودھری رب نواز کا انتقال ہوگیا تھا۔ رب نواز کے لیے گاؤں والوں نے بڑے چودھری صاحب کے الفاظ مخصوص کررکھے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد علی نواز بخشی پور کا چھوٹا چودھری نہیں رہا تھا۔ لوگوں نے اسے بڑا چودھری اور اس کے نو سالہ بیٹے حق نواز کو چھوٹا چودھری کہنا شروع کردیا تھا۔ میں چودھری رب نواز کی تعزیت کرنے حویلی گیا تھا اور وہاں سب کچھ موقع محل کے تقاضے کے مطابق ٹھیک ٹھاک پایا تھا۔ فوری طور پر میری سمجھ میں نہ آسکا کہ علی نواز کس مقصد کے لیے مجھ سے ملنے آیا ہے۔

وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے دو حواری بھی ہمراہ تھے جن کے نام دلدار حسین اور منصب علی تھے تاہم وہ اپنے ساتھیوں کو برآمدے میں ہی چھوڑ کر اکیلا ہی میرے کمرے میں آیا تھا۔

میں نے اسے بہت ہی الجھا ہوا، پریشان اور غصے میں پایا تاہم یہ الجھن پریشانی اور غیظ وغضب والد کی ابدی جدائی کے حوالے سے نظر نہیں آتا تھا بلکہ اس کے اسباب کوئی اور

ہی دکھائی دیتے تھے۔ میں نے رسمی علیک سلیک کے بعد اسے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ خاصے جارحانہ انداز میں بولا۔

''ملک صاحب! میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں۔ آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''

اس کا یہ حاکمانہ انداز اگرچہ مجھے پسند نہیں آیا تاہم اس خیال کے پیش نظر کہ چند روز قبل اس نے اپنے باپ کو منوں مٹی کے نیچے دبایا ہے، میں نے جارحیت کا جواب جارحیت سے دینے کے بجائے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

''بات کیا ہے چودھری جی...... آپ مجھے اپنے ساتھ کہاں لے کر جانا چاہتے ہیں؟''

''قبرستان میں!'' اس نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''قبرستان...... کیوں، خیریت تو ہے نا سب؟''

''خیریت ہی تو نہیں ہے ملک صاحب!'' وہ جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

میں نے پوچھا۔'' کچھ پتا تو چلے، آخر ہوا کیا ہے؟''

''کسی بدبخت نے ابا جی کی قبر کی بے حرمتی کی ہے۔'' وہ نفرت بھرے انداز میں بولا۔

ادھر علی نواز نے قبر کی بے حرمتی کی بات کی، ادھر مائی سگی کی سنائی ہوئی کہانی میرے ذہن میں چمکنے لگی اور اس کے ساتھ ہی وہ گفتگو بھی تازہ ہوگئی جو تھوڑی دیر پہلے میرے اور حوالدار کے درمیان ہوئی جس میں ہم متفقہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی شخص گزشتہ رات کسی قبر کے ساتھ کوئی کارروائی کرنے کے بعد مائی سگی کے صحن میں پہنچا تھا اور نلکے پر پاؤں دھوکر نہر کی جانب چلا گیا تھا۔

میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور چودھری علی نواز سے کہا۔

''چودھری جی! آپ تشریف رکھیں اور اطمینان سے مجھے بتائیں کہ ایسی ناپاک جرأت کس بدبخت نے کی ہے؟''

''اگر مجھے اس نامراد کا پتا ہوتا تو میں اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دیتا۔'' وہ میری بات مانتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔'' کسی کے برے دن آگئے ہیں جو اس نے ایسی حرکت کی ہے۔''

''چودھری صاحب کی قبر کی بے حرمتی کیسے کی گئی ہے۔'' میں نے ایک ممکنہ خدشے کے پیش نظر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔'' کیا آپ کے ابا جی کی لاش کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے؟''

''نہیں جی...... لاش کو تو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔'' وہ تپتے ہوئے لہجے میں بولا۔''بس، اس کمینے نے ابا جی کی قبر کو کھول دیا ہے، پتانہیں اس کا مقصد کیا تھا۔''

''یہ کب کا واقعہ ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے یہ واقعہ کل رات کسی وقت پیش آیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔''ایسے کام دن کی روشنی میں نہیں کیے جاتے۔''

''آپ کو کب پتا چلا کہ چودھری صاحب کی قبر کھلی ہوئی ہے؟'' میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔

''ابھی تھوڑی دیر پہلے۔'' اس نے بتایا۔''وہ بات دراصل یہ ہے کہ......'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا، ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''ملک صاحب! آپ کو تو پتا ہی ہے کہ ابا جی کو اس دنیا سے رخصت ہوئے صرف چار دن ہوئے ہیں۔ ان کے قلوں (سوئم) تک تو میں صبح شام ان کی قبر پر حاضری دیتا رہا ہوں، صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد میں قبرستان پہنچ جاتا اور شام میں عصر اور مغرب کے درمیان بھی ادھر کا ایک چکر لگاتا رہا ہوں مگر قلوں کے بعد صرف ظہر کی نماز کے بعد یہ سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو میں ان کی قبر پر پہنچا تو قبر کو کھلا ہوا پایا۔ قبر کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ رات کے کسی پہر اس کے ساتھ کارروائی کی گئی ہے۔ آپ جانتے ہیں رات میں وقفے وقفے سے اور صبح سے بھی دو تین مرتبہ ہلکی پھلکی بوندا باندی ہوچکی ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ اس وقت چھینٹا چھانٹی کا سلسلہ رکا ہوا ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر رکا لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''قبر کھلی ہونے کے باعث بارش کا پانی اندر اتر رہا ہے جس کی وجہ سے کفن میں لپٹی ہوئی ابا جی کی لاش کی حالت خاصی خراب ہوچکی ہے جناب۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ ایسی مذموم حرکت کرنے والے کو فوراً گرفتار کریں اور اسے عبرتناک سزا دیں۔ میں قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتا ورنہ دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ اس خبیث کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں......!''

میں نے چودھری علی نواز سے یہ نہیں کہا کہ جو شخص تمہارے ہاتھ ہی میں نہیں، اس کے ٹکڑے کیسے کرو گے؟ چند روز قبل وہ باپ کے سائے سے محروم ہوا تھا اور آج ایک اور افسوس ناک واقعہ سامنے آگیا تھا۔ ان حالات میں، میں اس کے دل و دماغ کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا لہٰذا نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''حوصلہ رکھو علی نواز! میں اس بدمعاش کو بہت جلد گرفتار کر کے تمہارے سامنے لے آؤں گا۔ تمہاری اس بات سے مجھے خوشی ہوئی کہ تم قانون کو ہاتھ میں لینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ جب قانون کے رکھوالے موجود ہوں تو یہ طاقت انہی

کے ہاتھوں میں بجتی ہے۔'' میں نے لمحاتی توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔
''کیا تم نے اس سلسلے میں حیات بخش سے بات کی ہے؟''
حیات بخش، بخشی پور کے قبرستان کا گورکن تھا۔ چودھری علی نواز نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔''ہاں، میں نے آپ کے پاس آنے سے پہلے اس سے پوچھ گچھ کی ہے لیکن وہ اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''
''وہ اس قبرستان کا گورکن ہے۔'' میں نے پرسوچ انداز میں کہا۔''اس کے دن اور رات ادھر ہی گزرتے ہیں۔ کوئی شخص پچھلی رات قبرستان میں گھسا، تمہارے والد کی قبر کو کھولا اور واپس چلا گیا مگر گورکن کو اس واقعے کی خبر نہیں، یہ بڑی عجیب سی بات ہے۔ بہرحال، ادھر چل کر دیکھتے ہیں......'' بات ختم کرتے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
اس نے بھی کرسی چھوڑ دی اور بولا۔''میں نے بھی گھما پھرا کر حیات بخش سے کئی سوال کیے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور فریاد کرنے لگا کہ وہ بارش کی وجہ سے اپنے کمرے میں سویا تھا اس لیے بھی قبرستان کے معاملات پر گہری نظر نہ رکھ سکا۔''
''ٹھیک ہے۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''آپ پانچ دس منٹ ادھر برآمدے میں رکو، میں قبرستان جانے کا انتظام کرتا ہوں۔''
''اگر انتظام سے آپ کی مراد سواری ہے تو بے فکر ہو جائیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔''میں تانگے میں بیٹھ کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ اسی میں چلتے ہیں۔''
ہم کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئے اور پھر تھانے کی حد میں واقع وسیع و عریض صحن میں آ گئے۔ میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں حوالدار حیدر علی کو موجودہ صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ اس معاملے کے پس منظر سے پوری طرح واقف تھا لہٰذا میری بات سمجھنے میں اسے ذرا دقت محسوس نہ ہوئی۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔
''ملک صاحب! کیا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟''
میں نے کہا۔''اس کی ضرورت نہیں حیدر علی۔ تم ادھر تھانے ہی میں رہو۔ میں قبرستان کے حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہم ایک ساتھ نہر کے کنارے کا رخ کریں گے، ادھر خانہ بدوشوں کے ڈیرے کی جانب......''
''ٹھیک ہے جناب......!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور خاموش ہو گیا۔

میں چودھری علی نواز کے ہمراہ چلتے ہوئے تھانے سے باہر آ گیا۔ تھانے کی باؤنڈری وال کے ساتھ ہی ایک سجا سجایا تانگا کھڑا تھا۔ تانگے کی سج دھج سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ چودھری کے ذاتی استعمال کے لیے مختص ہو گا۔ تانگے کے آس پاس جب مجھے کوچوان نظر نہ آیا تو میں نے چودھری سے پوچھا۔
''علی نواز...... تانگے کا کوچوان کہاں ہے؟''
''یہ اپنا منصب علی ہے نا......'' اس نے اپنے حواریوں میں سے ایک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔''یہی اس تانگے کا نظام سنبھالتا ہے۔''
''نظام سنبھالتا ہے۔'' کے الفاظ پر اس نے خصوصی زور ڈالا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ منصب علی محض ایک روایتی کوچوان نہیں تھا بلکہ وہ تانگا چلانے کے علاوہ بھی چودھری کی مختلف خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔ چودھری علی نواز کے ساتھ تھانے پہنچنے والے منصب علی اور دلدار حسین اپنی وضع قطع اور ڈیل ڈول سے ڈشکرے نظر آتے تھے۔ چودھریوں اور وڈیروں کو اپنی آن بان اور شان و شوکت قائم رکھنے کے لیے اسی قسم کے ہٹے کٹے باڈی گارڈز کی ضرورت ہوتی ہے۔
منصب علی نے تانگے کی باگ ڈور سنبھالی۔ میں اور چودھری علی نواز اگلی سیٹ پر بیٹھے اور دوسرے ڈشکرے دلدار حسین نے عقبی نشست پکڑ لی۔ تانگا محتاط انداز اور محدود رفتار سے موضع بخشی پور کی جانب بڑھنے لگا۔
شکر کی بات یہ تھی کہ اس وقت بارش رکی ہوئی تھی تاہم آسمان کی شکل سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی نیت کا کوئی بھروسا نہیں۔ ابھی نہیں تو کچھ دیر کے بعد، وہ کسی بھی وقت رونا دھونا شروع کر سکتا ہے۔
تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم بخشی پور پہنچ گئے۔ تانگے نے چودھری علی نواز کے حکم پر گاؤں کا درمیانی راستہ اختیار کیا اور ہمیں قبرستان تک لے آیا۔ مذکورہ قبرستان ایک ٹیلے پر ''آباد'' تھا اور ظاہر ہے، تانگا قبرستان کے اندر رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ہم تانگے سے نیچے اترے اور قبرستان میں داخل ہو گئے۔
قبرستان کے ایک کونے میں، بائیں جانب چودھری خاندان کے لیے ایک حصہ مخصوص تھا جہاں صرف انہی کی فیملی کے افراد کو سپردِ خاک کیا جاتا تھا اور قبرستان کا یہ حصہ ''چودھریوں کا قبرستان'' کہلاتا تھا۔ قبرستان کے داخلی دروازے کے ساتھ دائیں جانب گورکن حیات بخش کا کمرا تھا، ہم قبرستان کے اندر داخل ہو گئے اور چودھری مجھے اپنے ابا جی کی قبر تک لے آیا۔

قبرستان کے گیٹ پر میں نے نصف درجن کے قریب لوگ جمع دیکھے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا، اس واقعے کی خبر گاؤں والوں کو ہو چکی تھی تبھی انہوں نے ادھر کا رخ کیا تھا۔ چودھری علی نواز کے اشارے پر دونوں حواری بھی گیٹ کے پاس ہی رک گئے تھے۔

میں نے بغور چودھری رب نواز کی قبر کا جائزہ لیا۔ اس کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے ابھی صرف چار دن ہی ہوئے تھے۔ قبر ظاہر ہے، ابھی کچی تھی جبکہ دیگر افرادِ خانہ کی قبور بڑی شان دار اور پختہ تھیں جن میں سب سے نمایاں قبر علی نواز کے دادا چودھری احمد نواز کی تھی۔

چودھری رب نواز کی قبر کو پہلو کی طرف سے بڑے ماہرانہ انداز میں کھودا گیا تھا۔ لگتا تھا، کھدائی کرنے والے کو کسی خاص شے کی تلاش تھی اور وہ اپنی اس تلاش میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا تھا۔

میں نے کفن میں لپٹی ہوئی چودھری کی لاش کا بھی الٹ پلٹ کر تنقیدی نظر سے جائزہ لیا۔ کفن کی بندشیں اپنی جگہ موجود تھیں اور کفن کے اندر لاش بھی محفوظ تھی۔ قبر کھودنے والے نے لاش کی قطعاً بے حرمتی نہیں کی تھی جس سے یہ خیال باطل ہو جاتا تھا کہ کوئی شخص کالے پیلے عمل کے لیے لاش کی ہڈیاں حاصل کرنے قبرستان میں گھسا تھا۔ ویسے اس بات کا اندازہ مجھے اسی وقت ہو گیا تھا جب چودھری علی نواز نے تھانے آکر اپنے والد کی قبر کے ساتھ پیش آنے والے افسوس ناک واقعے کی اطلاع دی تھی۔ جادو ٹونے اور سفلی عملیات میں استعمال ہونے والی ہڈیاں عموماً ان قبور میں سے حاصل کی جاتی ہیں جن میں دفن ہونے والی لاشوں کو وہاں سکونت اختیار کیے کافی عرصہ گزر چکا ہو۔ اس دوران میں لاشوں کا گوشت کیڑے مکوڑوں کا رزق بن چکا ہو اور شہر خموشاں کی ان سنسان اور سناٹے دار کوٹھڑیوں میں صرف ان کی چند ہڈیاں باقیات کی صورت رہ گئی ہوں۔

قبر کے تفصیلی جائزے کے بعد میں نے چودھری علی نواز سے کہا۔ ''چودھری جی! آپ اپنے والدِ محترم کی کفن بردار لاش کو ٹھیک ٹھاک کر کے قبر کو بند کروا دیں۔ میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔''

اس جائزے نے میرے ذہن میں سوچ کا ایک نیا در کھول دیا تھا۔ میں اسی سلسلے میں علی نواز سے بالکل علیحدگی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ میرے تسلی بھرے جملے کے جواب میں اس نے کہا۔

''ملک صاحب! قبر تو ظاہر ہے، میں بند کروا دیتا ہوں لیکن آپ بھی اپنا وعدہ پورا کریں گے۔ میں اس بدبخت کو عبرت ناک انجام سے دوچار ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں جس نے ابا جی کی قبر کے ساتھ ایسا سنگین مذاق کیا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو اور حوصلہ رکھو......'' میں نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''میں ادھر گورکن کے کمرے کے پاس جمع افراد سے پوچھ گچھ کرتا ہوں۔ تم اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ادھر ہی آجانا۔ انشاءاللہ! بہت جلد وہ نامراد قانون کے شکنجے میں ہوگا جس نے اندھیری اور برساتی رات کی آڑ میں چودھری رب نواز کی قبر کے ساتھ یہ مذموم کارروائی کی ہے۔''

گورکن حیات بخش کا کمرا قبرستان کے داخلی حصے میں ایک جانب بنا ہوا تھا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں سے چودھریوں کے ذاتی قبرستان کی طرف راستہ جاتا تھا۔ گورکن اور چودھری کے دونوں حواری قبر کو ''ٹھیک'' کرنے میں مصروف ہو گئے اور میں اس دوران میں وہاں موجود افراد سے پوچھ تاچھ کرنے لگا۔

جب میں ان لوگوں کی جانب بڑھ رہا تھا تو میں نے خاص طور پر ایک بات نوٹ کی اور وہ یہ کہ ایک دراز قامت شخص بڑی سرعت کے ساتھ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ اس کے انداز میں بڑا اضطرار پایا جاتا تھا۔ وہ ان افراد میں شامل تھا جو اس واقعے کی حقیقت جاننے کے لیے قبرستان کے داخلی حصے میں اکٹھے تھے۔ میں یہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکا کہ وہ بندہ مجھے اس طرف بڑھتے دیکھ کر کھسک لیا تھا۔ اس کی یہ پراسرار حرکت میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی۔

میں نے پندرہ بیس منٹ میں ان لوگوں کو فارغ کر دیا۔ ان میں سے کوئی بھی اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ سب نے ملتا جلتا بیان دیا تھا اور ان کے بیانات میں ایسی کوئی بات یا اشارہ نہیں ملتا تھا جس کی مدد سے میں قبر کھودنے والے تک رسائی حاصل کر سکتا۔ انہی میں شامل ایک پکی عمر کے شخص سے میں نے پوچھا۔

''معراج دین! ابھی تھوڑی دیر پہلے تم لوگوں میں ایک لمبے قد کا آدمی بھی موجود تھا وہ کہیں نظر نہیں آرہا۔ کیا وہ چلا گیا ہے؟''

اس شخص کی پراسرار رخصتی مجھے ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔ معراج دین نامی اس بوڑھے نے آنکھیں سکیڑیں اور سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

''آپ اچھو کی بات تو نہیں کر رہے......؟''

''مجھے اس کا نام معلوم نہیں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے

لہجے میں کہا۔ ''جب میں قبرستان میں داخل ہوا تھا تو وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ لمبا قد، سانولی رنگت اور بھاری بدن۔ اس کے سر کے بال بھی کافی حد تک اڑ چکے ہیں۔''

''جی، وہ اچھو ہی ہے۔'' معراج دین کے بجائے ایک نوجوان نے تصدیق کرتے ہوئے بتایا۔ ''آپ نے جو حلیہ اور قد کاٹھ بتایا ہے وہ اسلم عرف اچھو ہی کا ہے۔ صرف ایک خاص نشانی آپ نے چھوڑ دی ہے۔''

''کون سی نشانی بھئی؟'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ ''اچھو کے چہرے پر ماتا (چیچک) کے نشان ہیں اور یہی اس کی سب سے بڑی شناخت ہے۔''

''اوہ......'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور کہا۔ ''میں نے اسے خاصے فاصلے سے دیکھا تھا، شاید اسی لیے اس کے چہرے کے داغ مجھے نظر نہ آسکے۔ بہرحال......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اچھو کہاں چلا گیا ہے؟''

''اس نے کچھ بتایا تو نہیں جناب۔'' اسی نوجوان نے جواب دیا۔ ''لیکن ظاہر ہے، وہ گاؤں کی طرف ہی گیا ہوگا۔''

''کیا اچھو بھی بخشی پور کا رہنے والا ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''جی ہاں، وہ بھی ادھر ہی رہتا ہے۔''

معراج دین نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''تھانے دار پتر! کچھ پتا چلا، کس نامراد نے بڑے چودھری صاحب کی قبر کو کھولا ہے؟''

''ابھی تو تفتیش کا آغاز ہوا ہے بزرگو!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''انشاء اللہ! بہت جلد حقائق سامنے آجائیں گے۔''

''پتا نہیں، اس کمینے کو کس شے کی تلاش تھی۔'' معراج دین نے جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ ''کیسا برا زمانہ آگیا ہے۔ زندہ تو زندہ، لوگ مرنے والوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔''

یہ آج سے کم و بیش نصف صدی پہلے کا واقعہ ہے۔ معراج دین ایک مخصوص واقعے کی وجہ سے زمانے کو برا کہہ رہا تھا۔ گویا لوگوں کی نظر میں، ہر دور میں زمانہ اچھا برا رہا ہے حالانکہ بڑے بزرگ فرماتے ہیں زمانے کو کبھی برا نہیں کہنا چاہیے۔

جس نوجوان نے اسلم عرف اچھو کے غیاب کا مسئلہ حل کیا تھا اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تھانے دار صاحب! آپ اچھو کو کیوں ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟''

میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ ''کوئی خاص بات نہیں جوان۔ جب میں قبرستان پہنچا تھا تو وہ بھی تم لوگوں کے ساتھ ادھر کھڑا تھا۔ اب جو اسے غیر حاضر پایا تو اس کے بارے میں پوچھ لیا۔''

وہاں پر موجود لوگوں میں کسی کو اور کوئی سوال کرنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ اسی وقت چودھری علی نواز اپنے حواریوں اور گورکن کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ چودھری رب نواز کی قبر کو ٹھیک ٹھاک کر دیا گیا تھا۔ چودھری کو آتے دیکھ کر سب لوگ باادب باملاحظہ ہوگئے۔

میں نے آگے بڑھ کر چودھری سے کہا۔ ''یہاں موجود لوگوں کے بیانات میں نے لے لیے ہیں لیکن کام کی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ اب گورکن کا بیان اور آپ سے بات چیت باقی ہے تب ہی صورت حال واضح ہوگی۔''

''میں نے ابا جی کی قبر تو بند کروا دی ہے۔'' چودھری علی نواز نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔ ''اور حیات بخش کے ساتھ یہاں ایک بندھے کی ڈیوٹی بھی لگا دوں گا جو خاص طور پر ہمارے خاندانی قبرستان کی نگرانی کرے گا تاکہ اس بدبخت کو ادھر جھانکنے کی دوبارہ جرأت نہ ہو بلکہ......'' وہ چونکنے والے انداز میں متوقف ہوا پھر مجھ سے کہنے لگا۔

''بلکہ میں تو کہتا ہوں، آپ ایک سپاہی کو ادھر متعین کردیں۔ قانون کے رکھوالے کی موجودگی میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوسکے گی۔''

''چودھری جی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے سو فیصد یقین ہے، اب آپ کے ابا جی کی قبر کے ساتھ ایسی کارروائی نہیں دہرائی جائے گی لہٰذا کسی سپاہی کی یہاں ڈیوٹی لگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ویسے بھی میرے پاس نفری بہت کم ہے۔ میں صرف تین سپاہیوں اور ایک حوالدار کی مدد سے یہ تھانہ چلا رہا ہوں۔''

اس نے عملے کی کمی اور تھانے کے معاملات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اضطراری لہجے میں پوچھا۔ ''ملک صاحب! آپ کو کس بنا پر یہ پختہ یقین ہے کہ ابا جی کی قبر کے ساتھ آئندہ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی؟''

''اس بنا پر کہ......'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''وہ نامراد جس شے کی تلاش میں یہاں آیا تھا اور اس نے چودھری رب نواز کی قبر کو کھودا تھا، وہ مقصد اور شے اسے حاصل ہوگئی ہے لہٰذا دوبارہ اس کے ادھر پھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''آپ...... کس مقصد...... کس شے...... کی بات کررہے ہیں ملک صاحب؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے اپنے ذہن میں موجود خدشات کو الفاظ کا

جامہ پہنا کر چودھری کے سامنے کھڑا کر دیا تھا لیکن اس کی الجھن پر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ حالات و واقعات کی روشنی اور مائی سگی کے بیان کے تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ کسی شخص نے قبر میں سے کوئی خاص شے حاصل کرنے کے لیے قبر کو ایک مخصوص انداز میں، پہلو کی جانب سے کھودا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ تدفین کے وقت چودھری رب نواز کی قبر میں اس کی لاش کے ساتھ کوئی اہم شے بھی دفن کی گئی تھی۔ مائی سگی نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے نلکے پر پاؤں دھونے والے مردے کے پاس ایک تھیلا بھی تھا۔ اغلب امکان اس بات کا تھا کہ وہ شے اس لاش نے اسی تھیلے میں چھپا رکھی تھی لیکن چودھری علی نواز کی لاعلمی اور بے خبری مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی اگر کسی اہم چیز کو چودھری رب نواز کی لاش کے ساتھ قبر میں رکھا گیا تھا تو چودھری علی نواز اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ تمام تر خیالات سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن سے گزرے اور میں نے چودھری علی نواز کے سوالات کے جواب میں گہری سنجیدگی سے کہا۔

''چودھری جی...... یہ اتنا اہم اور سنگین معاملہ ہے کہ یہاں کھڑے کھڑے اس پر بات نہیں ہو سکتی۔ آپ حویلی میں جائیں، میں گورکن کا انٹرویو کر کے ادھر ہی آ جاتا ہوں پھر ہم بیٹھ کر تسلی سے تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔''

علی نواز نے کوئی اعتراض کرنا ضروری نہ سمجھا اور اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھیک ہے جناب...... آپ گورکن کو جلدی نمٹا کر حویلی آ جائیں، میں بڑی شدت سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔''

میں نے گورکن حیات بخش کو ہاتھ سے پکڑا اور اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

بادل تو آسمان پر صبح ہی سے موجود تھے اور دن کے پہلے حصے میں ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہوئی تھی لیکن بارش کھل کر نہیں برس سکی تھی اور اس بات کے اغلب آثار نظر آ رہے تھے کہ کسی بھی وقت دھواں دھار بارش کا آغاز ہو سکتا تھا۔ اسی برساتی احتیاط کے پیش نظر میں گورکن کے ساتھ کمرے کے اندر آ بیٹھا۔

اس کمرے میں اٹھنے بیٹھنے اور سونے جاگنے کے لیے جو سامان موجود تھا، اس میں ایک چارپائی، ایک اسٹول نما چھوٹی میز اور ایک موڑھا شامل تھا۔ حیات بخش نے اپنے کندھے پر پڑی چادر کو اتارا اور جلدی سے مذکورہ موڑھے کو جھاڑ دیا۔ مطلب یہی تھا کہ مجھے اس موڑھے پر بیٹھنا ہے۔ میں نے حیات بخش کی فرمائش پوری کر دی اور چوکنا نظر سے اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

وہ دس بائی پندرہ فٹ کا ایک مستطیل کمرا تھا جس کے ایک حصے میں تدفین سے متعلق ساز و سامان رکھا دکھائی دیتا تھا جس میں کدال، کسی، بیلچہ اور اسی نوعیت کے دیگر آلات شامل تھے جو مُردوں کی قبروں کی کھدائی کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ کمرے کے اسی حصے کے ایک کونے پر دیوار میں اوپر تلے دو تین دو چھتیاں بنی ہوئی تھیں جن پر چند برتن سجے نظر آ رہے تھے۔ یہ حیات بخش کے روزمرہ کے استعمال کے برتن تھے۔ چھوٹی میز پر ایک گلاس اور پانی والا جگ بھی رکھا دکھائی دیا۔ ان اشیا کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد میں نے اپنی توجہ حیات بخش پر مرکوز کر دی اور تحکمانہ انداز میں کہا۔

''ادھر چارپائی پر بیٹھ جاؤ......!'' اس نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کر دی۔

حیات بخش کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی۔ وہ اپنے حلیے اور وضع قطع سے بالکل ویسا ہی نظر آتا تھا جیسا کہ عموماً گورکن ہوا کرتے ہیں۔ اس کا کوئی آگے پیچھے نہیں تھا۔ وہ ایک طویل عرصے سے اسی قبرستان میں قیام پذیر تھا، وہ چارپائی پر بیٹھنے کے بعد سہمی ہوئی سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

چودھری علی نواز نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے گورکن سے خاصی کڑی پوچھ تاچھ کی تھی۔ گورکن کے چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ وہ مجھ سے بھی اسی قسم کی توقع کر رہا تھا لیکن میں نے اس کی تسلی کی خاطر اس کی توقع پر پانی پھیرتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

''چاچا! تمہیں اس قبرستان میں ڈیوٹی دیتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

اس نے چونک کر میری جانب دیکھا اور جواب دیا۔ ''کوئی پچیس تیس سال ہو گئے ہیں سرکار۔''

''اس طویل عرصے میں تم نے درجنوں بلکہ سیکڑوں مردوں کو مٹی میں اتارا ہو گا؟'' میں نے کھوجتی ہوئی نظر سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کبھی گنتی نہیں کی مائی باپ۔'' وہ عام سے لہجے میں بولا۔ ''بس اندازہ ہے کہ سو سے تو اوپر ہی مُردوں کو دفنا چکا ہوں۔''

''اور اب تک تم نے کتنے مُردوں کو زندہ کیا ہے؟''

میرے اس سوال پر وہ ٹپٹا کر رہ گیا، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ''جناب! میں کسی مردے کو کس طرح زندہ

کر سکتا ہوں۔''

''تمہارا نام حیات بخش ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''یعنی زندگی دینے والا......''

''سرکار...... آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں۔ صرف نام حیات بخش ہونے سے کیا ہوتا ہے۔'' وہ بڑی عاجزی سے بولا۔ ''یہ صلاحیت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیامبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے رکھی تھی۔ میں نے سنا ہے، وہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔''

میں نے ہلکی پھلکی گفتگو سے حیات بخش کے خوف اور سراسیمگی کو دور کر دیا تھا اور میرا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ بلاخوف وخطر مجھ سے بات کر سکے تاکہ مجھے تفتیش کو آگے بڑھانے میں خاطر خواہ مدد ملے۔ میں نے بدستور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، حیات بخش! ہم مُردوں کو زندہ کرنے والا موضوع چھوڑ دیتے ہیں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس پچیس تیس سالہ ڈیوٹی کے دوران تم نے کبھی کسی مُردے کو قبر میں سے نکل کر قبرستان سے باہر جاتے دیکھا ہے؟''

''نہیں جناب......'' اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی۔ ''یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے......؟''

''یہ پچھلی رات میں ہو چکا ہے حیات بخش۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آپ...... آپ کس مُردے کی بات کر رہے ہیں؟''

وہ خوف زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''مجھے اس مُردے کا نام اور قبر کا مقام تو معلوم نہیں لیکن اسی گاؤں کے ایک معتبر فرد نے اسے قبرستان سے نکل کر چھوٹی نہر کی سمت جاتے دیکھا تھا۔ اس مردے نے اپنے ہاتھ میں ایک تھیلا بھی اٹھا رکھا تھا......؟''

''آپ...... شاید اس بندے کا ذکر کر رہے ہیں جس نے پچھلی رات بڑے چودھری صاحب کی قبر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔'' وہ اضطراری لہجے میں بولا پھر پوچھا۔ ''گاؤں کے کس بندے نے اسے دیکھا تھا؟''

''کس نے دیکھا اور کس نے نہیں دیکھا، اس بحث میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تھوڑی دیر کے لیے تمہاری بات کو درست مان لیتا ہوں کہ جس کسی نے اس بندے کو چلتا پھرتا مُردہ سمجھا وہ درحقیقت مردہ نہیں بلکہ وہ شخص تھا جس نے پچھلی رات چودھری رب نواز کی قبر کی بے حرمتی کی ہے، تم......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی اور اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے بتاؤ کہ اس شخص نے تھیلے میں کیا چھپا رکھا تھا؟''

''یہ...... میں...... میں...... کیسے بتا سکتا ہوں......!''

''تم سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہیں بتا سکتا حیات بخش!'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ آپ ...... کیا کہہ رہے ہیں تھانے دار جی......؟''

''حیات بخش! تم اس قبرستان کے گورکن ہو۔'' میں نے اٹل انداز میں کہا۔ ''ہو یا نہیں...... جواب دو؟''

''ہوں جی......'' اس نے الجھن زدہ لہجے میں جواب دیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ایسے عجیب وغریب سوالات اس سے کیوں پوچھ رہا ہوں۔ اس کے ذہن کی الجھن آنکھوں اور چہرے سے ہویدا تھی۔ میں نے اس کی پریشانی کو قدرے کم کرنے کی غرض سے پوچھا۔

جب سالہا سال سے اس قبرستان کے گورکن تمہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا، تمہارے سوا کوئی اور شخص یہاں تدفین کا کام نہیں کرتا، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی ہاں، آپ بجا فرما رہے ہیں۔'' اس کے لہجے میں الجھن باقی تھی۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''حیات بخش! پچھلی رات جس انداز میں کسی شخص نے چودھری رب نواز کی قبر کو پہلو سے کھود کر یہ کارروائی کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص کسی خاص شے کی تلاش میں قبرستان پہنچا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق، وہ خاص شے بڑے چودھری کی قبر میں موجود تھی۔ اس نے چودھری کی قبر کھود کر اپنی مطلوبہ شے حاصل کی اور اسے تھیلے میں رکھ کر نو دو گیارہ ہو گیا...... کیا تمہارا ذہن اس انداز میں نہیں سوچتا؟''

''وہ جی......'' وہ لکنت زدہ انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بتانے لگا۔ ''میں نے دن میں چھوٹے چودھری صاحب کو پوری تفصیل سنا دی ہے۔ رات کو بارش کی وجہ سے میں باہر نہ سو سکا اور کمرے میں چارپائی بچھالی پھر ایسی پکی آنکھ لگی کہ مجھے کچھ خبر نہ ہوئی، کون قبرستان میں گھسا اور کب یہ کارروائی کر کے......!''

''میں نے تم سے یہ تفصیل پوچھی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہے۔'' میں نے اس کا بیان مکمل ہونے سے پہلے ہی کہہ دیا۔ ''میں نے دیکھنے کی نہیں بلکہ سوچنے کی بات کی ہے۔ پچھلی رات قبرستان میں کون آیا، کیوں آیا اور اس نے چودھری رب نواز کی قبر کے ساتھ کیا کیا، ان معاملات کو ذہن سے نکال دو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا

تمہارا ذہن اس انداز میں نہیں سوچتا جس کا تھوڑی دیر پہلے میں نے ذکر کیا ہے؟''
اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''جی...... آپ کہہ تو بالکل ٹھیک رہے ہیں۔ میں بھی کچھ ایسا ہی سوچنے پر مجبور ہوں۔''
''اگر میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں اور تم میرے ہم خیال بھی ہو تو......'' میں نے اپنے مقصد کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر یہ بات بھی تمہی بتاؤ گے کہ اس قبر میں چودھری رب نواز کی لاش کے علاوہ ایسا کیا دفن کیا گیا تھا جس کے حصول کے لیے کسی نامعلوم اجنبی چور نے یہ سارا کھٹ راگ پھیلایا ہے۔'' میں نے لمحاتی توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔
''تم اس قبرستان کے گورکن ہو۔ کوئی شے تمہاری نظر سے چھپا کر کسی قبر میں دفن نہیں کی جاسکتی۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں......صرف سچ!''
اس نے اضطراری نظر سے مجھے دیکھا اور بتایا۔
''تھانے دار جی! وہ بات دراصل یہ ہے کہ بڑے چودھری صاحب کی وصیت کے مطابق چھوٹے چودھری جی نے لکڑی کا ایک چھوٹا سا ڈبا بھی لاش کے ساتھ ہی قبرستان میں دفن کیا تھا۔ میں نہیں جانتا، اس ڈبے کے اندر کیا تھا لیکن......!'' وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہو گیا۔
میں نے جلدی سے پوچھا۔ ''لیکن کیا حیات بخش......؟''
''تھانے دار جی! وہ ڈبا قبر میں سے غائب ہو چکا ہے۔ چھوٹے چودھری صاحب بہت الجھے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے، وہ ڈبا اسی بندے نے چرایا ہے جس نے پچھلی رات بڑے چودھری صاحب کی قبر کے ساتھ کارروائی کی ہے۔'' وہ مضمحل انداز میں بتا رہا تھا۔
چودھری علی نواز جب اپنے باپ کی قبر کو دوبارہ ٹھیک ٹھاک کروا کے میرے پاس آیا تو اس کی آنکھوں میں مجھے بے پناہ پریشانی اور الجھن نظر آئی تھی جیسے اس کی کوئی بہت ہی قیمتی اور عزیز ترین چیز کھو گئی ہو۔'' حیات بخش گورکن کے انکشاف کے بعد واضح ہو گیا کہ اس کی پریشانی کا سبب کیا تھا۔ ظاہر ہے، اس چوبی ڈبے کی قبر میں غیر موجودگی نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے لیکن میری سوچ اس نقطے پر آ کر تھم گئی کہ آخر اس ڈبے کے اندر ایسی کون سی اہم شے رکھی گئی تھی؟
اسی تناظر میں، میں نے گورکن سے سوال کیا۔
''حیات بخش! میں نے مان لیا کہ تم نہیں جانتے، لکڑی کے اس ڈبے کے اندر کون سی قیمتی شے رکھی گئی تھی مگر چودھری علی نواز کو تو اس کی پوری خبر ہو گی۔''
''ظاہر ہے جی......خبر تو ہونی چاہیے!'' گورکن نے گول مول جواب دیا۔
میں نے متذبذب لہجے میں کہا۔ ''چودھری علی نواز نے مجھے اس ڈبے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ خیر میں یہاں سے فارغ ہونے کے بعد سیدھا اس کی حویلی جاؤں گا پھر اس موضوع پر بھی بات ہو جائے گی۔''
''ہو سکتا ہے، چودھری صاحب سب کے سامنے بات نہ کرنا چاہ رہے ہوں۔'' حیات بخش نے خیال آرائی کی۔ ''جب آپ حویلی جا کر تنہائی میں ان سے بات کریں گے تو وہ آپ کو اس ڈبے کے حوالے سے کچھ ضرور بتائیں گے۔''
''ہاں......یہ ہو سکتا ہے۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔
وہ خاموش نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے مزید چند سوالات کے بعد اسے فارغ کر دیا اور اس تاکید کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل آیا۔ ''حیات بخش! آج رات اپنی آنکھیں پوری طرح کھلی رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ......؟''
میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''آپ بالکل بے فکر رہیں تھانے دار جی...... آج کی رات تو میں جاگ کر گزاروں گا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد قبرستان کا چکر بھی لگاتا رہوں گا۔''
میں نے اس سے یہ نہیں کہا کہ رات بھر جاگنے یا قبرستان کے چکر لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ قبر کھودنے والے کو جس شے کی تلاش تھی وہ حاصل کر کے جا چکا تھا اور دوبارہ قبرستان میں قدم رکھنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ قبرستان اب اس کے لیے چوہا پکڑنے والا ایک پنجرہ بن چکا تھا اگر وہ ادھر کا رخ کرتا تو اس کی گرفتاری یقینی تھی۔ میں گورکن کے کمرے سے نکلا تو منصب علی میرا منتظر تھا۔ منصب علی، چودھری علی نواز کے ان دو حواریوں میں سے ایک تھا جو اس کے ہمراہ تھانے پہنچے تھے۔ مجھ پر نظر پڑی تو وہ بڑے ادب سے میرے قریب آیا اور کہا۔
''تھانے دار جی! اگر آپ فارغ ہو گئے ہوں تو حویلی چلتے ہیں۔''
اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ چودھری علی نواز ہی اسے یہاں متعین کر گیا تھا۔ میں نے اس کی ہمراہی میں قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے بھئی...... چلو حویلی۔ چودھری علی نواز تو حویلی پہنچ ہی گیا ہو گا۔''
''جی ہاں...... چودھری صاحب تو اسی وقت دلدار

کے ساتھ حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔''اس نے بتایا۔
''اور تمہیں یہاں میرے لیے چھوڑ گئے تھے؟'' میں نے ٹکڑا لگایا۔
''جی......!''اس نے یک لفظی جواب پر اکتفا کیا۔
چودھری کی حویلی بھی بخشی پور گاؤں کے اندر ہی واقع تھی لہٰذا ہمیں وہاں تک رسائی حاصل کرنے میں چند منٹ ہی لگے تھے۔اس مختصر سے سفر کے دوران میں، میں نے منصب علی سے اسلم عرف اچھو کے بارے میں بھی چند سوالات کیے۔ چیچک زدہ چہرے والا وہ شخص میری یادداشت سے چپک کر رہ گیا تھا۔کسی بھی کیس کی تفتیش کے دوران میں، میں اپنی آنکھوں اور کانوں کو خاص طور پر کھلا رکھتا ہوں اور ماحول میں رونما ہونے والا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی میری نگاہ سے اوجھل نہیں رہتا۔ اچھو مجھے دیکھ کر جس پر اسرار اور مشکوک انداز میں جائے وقوعہ سے کھسک لیا تھا اس نے میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ میرے اور منصب علی کے درمیان کچھ اس نوعیت کے سوال و جواب ہوئے۔
''منصب علی کیا تم اچھو کو جانتے ہو؟''میں نے پوچھا۔
''جی بالکل جانتا ہوں۔''اس نے اثبات میں گردن ہلائی ''آپ اسی اچھو کی بات کر رہے ہیں نا جو چیچک کا مارا ہوا ہے؟''
''ہاں، ہاں، وہی۔''میں نے تصدیقی لہجے میں کہا۔ ''میں نے اچھو کو ادھر قبرستان میں دیکھا تھا۔ یہ شخص مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''
''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے جناب!'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔''واقعی یہ بندہ ٹھیک نہیں ہے اسی لیے چودھری صاحب نے اسے دھتکار دیا تھا۔''
''دھتکار دیا تھا......؟''میں نے چونک کر منصب علی کی جانب دیکھا۔''تم کس چودھری کی بات کر رہے ہو...... چھوٹے یا بڑے؟''
''میں چھوٹے چودھری صاحب کی بات کر رہا ہوں جی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔''چودھری علی نواز اسے بالکل پسند نہیں کرتے تھے اس لیے انہوں نے اسے خود سے دور کر دیا تھا۔''
''لیکن کیوں......؟''منصب علی کے انکشافات میری دلچسپی کو بڑھا رہے تھے۔''اس ناپسندیدگی یا دھتکارنے کا سبب کیا تھا؟''
اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور بتانے لگا۔
''کسی زمانے میں، میں اور اچھو بڑے چودھری صاحب کی خدمت میں ہوا کرتے تھے بلکہ صحیح معنوں میں وہی بڑے چودھری صاحب کا خدمتگار تھا۔ میں تو اس کے نائب کے عہدے پر فائز تھا۔البتہ چھوٹے چودھری صاحب مجھے بہت قریب رکھتے تھے پھر جب بڑے چودھری صاحب اپنی عمر کے آخری دنوں میں بیمار رہنے لگے تو چھوٹے چودھری صاحب نے بڑی صفائی سے اچھو کو الگ کر دیا اور دلدار حسین کو اپنے قریب کر لیا۔ اب اچھو کا حویلی یا چودھری خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے حویلی کے اندر قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں البتہ یہ ادھر بخشی پور ہی میں رہتا ہے۔آج کل میں اور دلدار حسین چودھری علی نواز کے دو بازو ہیں۔وہ ہم دونوں پر پورا بھروسا کرتے ہیں۔''
''ہوں......''میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
کسی حویلی کا اندرونی انتظام و انصرام ہو یا کسی سلطنت کے اندرونی معاملات، سیاسی کرتب بازیوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ بادشاہ سلامت کی سلامتی جب مختلف نوعیت کے محلاتی خطرات میں گھر جاتی ہے تو وفاداریوں کی تبدیلیوں کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔جن فاداریوں میں لچک نہیں ہوتی اور ولی عہد کے لیے کسی بھی پریشانی کا باعث بنتی نظر آ رہی ہوں، انہیں دودھ کی مکھی کے مانند خاموشی سے نکال کر دور پھینک دیا جاتا ہے۔میرے خیال میں اسلم عرف اچھو کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا......!
اور......اگر واقعی ایسا تھا تو پھر یہ اچھو میرے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتا تھا۔اسی لمحے میں نے فیصلہ کر لیا کہ کل کسی وقت خاموشی کے ساتھ اچھو کو تھانے بلا کر نہایت ہی خفیہ انداز میں اس کا ''انٹرویو'' کروں گا۔ مجھے امید تھی کہ میری یہ کوشش ہرگز ہرگز رائگاں نہیں جائے گی۔ میری چھٹی حس مجھے اس بات کا یقین دلا رہی تھی۔

☆☆☆

چودھری علی نواز نے ایک کمرے میں بند ہو کر مجھ سے ملاقات کی۔ ہم دونوں کے سوا اس کمرے میں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔وہ اس واقعے پر غصے اور انتقام سے بھرا بیٹھا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ میں جلد از جلد اس کے مجرم کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دوں۔میں نے بڑے تحمل سے اس کی بات سنی اور آخر میں کہا۔
''علی نواز! جب تک تم دل سے تعاون کے لیے تیار نہیں ہو گے، میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔''
''دل سے تعاون......!'' وہ الجھن بھرے انداز میں بولا۔''ملک صاحب! آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔ میری تو خواہش یہ ہے کہ ابھی اور اسی وقت اس مردود کو پکڑ کر ٹانگ دوں......آپ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں؟''

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''معلومات اور حقائق کو بالکل درست انداز میں مجھ تک پہنچانے کا تعاون۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی بات بھی نہ چھپاؤ ......!''

''میں نے آپ سے کیا چھپایا ہے ملک صاحب!'' وہ حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں چند لمحات تک ٹھہری ہوئی نظر سے چودھری علی نواز کے چہرے کو تکتا رہا پھر گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''چودھری جی! جس انداز میں چودھری صاحب کی قبر کو کھودا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے اس شخص کو کسی خاص شے کی تلاش تھی اور وہ اپنی تلاش میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہی قبرستان سے رخصت ہوا ہے۔ چودھری علی نواز! آپ اچھی طرح جانتے ہو، میں کون سی خاص شے کا ذکر کر رہا ہوں......؟''

''تو اس کا مطلب ہے، آپ کو اس بکس کی خبر ہو گئی ہے......!'' وہ متاسفانہ انداز میں بولا۔

''چودھری جی! بات چھوٹی ہو یا بڑی، زیادہ عرصے تک چھپی نہیں رہ سکتی۔'' میں نے شاکی لہجے میں کہا۔ ''کیا ہی اچھا ہوتا، بکس والی یہ بات تمہاری زبان سے مجھ تک پہنچتی۔''

''میں آپ کو بتانے ہی والا تھا......'' وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ''لیکن اس کا موقع ہی نہیں ملا پھر میں نے سوچا کہ آپ حویلی آئیں گے تو اس موضوع پر کھل کر بات ہو گی۔''

میں نے اسے شرمندہ کرنے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''چودھری جی! اب تو میں حویلی کے اندر تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ لکڑی کے اس بکس کا کیا راز ہے، اسے چودھری رب نواز کی قبر میں لاش کے ساتھ کیوں دفن کیا گیا تھا اور یہ کہ...... ایسی حرکت کون شخص کر سکتا ہے؟''

''آپ نے تو ملک صاحب...... ایک ہی سانس میں اتنے سوالات کر ڈالے ہیں کہ میرا دماغ ہل کر رہ گیا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے ہوئے بولا۔ ''سوچنا پڑے گا کہ جواب کا سلسلہ کہاں سے شروع کروں......!''

''زیادہ الجھنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے چودھری جی!'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔ ''مجھے کسی بات کی جلدی نہیں ہے۔ آپ سوچ سمجھ کر اطمینان سے جواب دو، میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں۔''

وہ چند لمحے خاموش رہ کر ایسا ظاہر کرتا رہا کہ جیسے ذہن میں بکھرے ہوئے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا ہو پھر ٹھہر ٹھہر کر بتانے لگا۔

چودھری علی نواز کے مطابق، لکڑی کا وہ منقش بکس چودھری رب نواز نے اپنی موت سے تھوڑی دیر پہلے اس کے حوالے کیا تھا اور اس بات کا وعدہ لیا تھا کہ مذکورہ بکس کو اس کی لاش کے ساتھ ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ اس وعدے کو متوفی نے اپنی وصیت کا نام دیا تھا۔ علی نواز نے جب یہ پوچھا کہ ابا جی، اس بکس کے اندر کیا ہے تو متوفی نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ تمہاری ماں مرحومہ صابرہ بی بی کی ایک نشانی ہے اس کے اندر اور میں چاہتا ہوں، وہ نشانی جسے میں نے سالہا سال سے سنبھال رکھا ہے، وہ میرے ساتھ ہی قبر میں جائے۔ چودھری علی نواز نے اپنے باپ کی وصیت کے عین مطابق اس بکس کو چودھری رب نواز کی قبر میں، لاش کے ساتھ ہی رکھوا دیا تھا۔ مذکورہ بکس کی پیمائش لمبائی آٹھ انچ، چوڑائی چار انچ اور اونچائی تین انچ تھی۔ وہ ایک منقش بکس تھا۔ کسی بڑھئی نے بڑی دلجمعی سے اسے تیار کیا تھا۔

علی نواز خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔ ''چودھری جی! تم نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس منقش بکس کو قبر میں دفن تو کروا دیا تھا لیکن میں یہ ماننے کو تیار نہیں کہ بکس اور اپنی والدہ کی کسی اہم نشانی کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کوئی تجسس نہ جاگا ہو اور تم نے اس بکس کو کھول کر دیکھنے کی کوشش نہ کی ہو۔ تم ایک انسان ہو اور انسانی نفسیات کا اطلاق تم پر بھی برابر ہوتا ہے۔''

وہ جزبز ہو کر متذبذب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے پتا چلتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کہتے ہوئے ہچکچا بھی رہا ہے۔ میں نے اس کی ہچکچاہٹ کو حوصلے میں بدلتے ہوئے کہا۔

''علی نواز! تمہاری پہلی اور آخری خواہش یہ ہے کہ جس شخص نے تمہارے باپ کی قبر کے ساتھ کھلواڑ کیا ہے، وہ جلد از جلد حوالات کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئے۔ یہ اسی صورت ممکن ہے کہ مجھے پتا ہو، اس بکس کے اندر کیا تھا اور اسے چرانے کی ہمت کون کر سکتا ہے ......!''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے جناب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اس بکس کو کھول کر دیکھا تھا اگرچہ یہ ابا جی سے کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی تھی لیکن میں فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا اور پھر اس بکس پر باقاعدہ کوئی تالا وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا لہٰذا اس سلسلے میں مجھے کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔''

''تم نے بکس کو کھول کر دیکھا......'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا تھا اس کے اندر چودھری جی......؟''

''بوسکی کا ایک رومال......!'' وہ انکشاف انگیز انداز

میں بولا۔ ''جیسا کہ عام طور پر دستی رومال ہوا کرتے ہیں۔ بوسکی کا یہ رومال چوپرت کر کے بکس کے اندر رکھا ہوا تھا۔''

''تم نے یقیناً اس چوپرتے رومال کو کھول کر بھی دیکھا ہوگا؟''

''جی ہاں...... دیکھا تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ''بوسکی کا وہ رومال سادہ تھا یا اس پر کوئی کڑھائی وغیرہ بھی ہوئی تھی؟''

''رومال کے عین وسط میں سرخ ریشمی دھاگے کی مدد سے ایک دل کڑھا ہوا تھا۔'' چودھری نے بتایا۔ ''اور رومال کی کناری کو نیلے دھاگے سے تیار کیا گیا تھا۔''

''ہوں......'' میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

ایک کڑھے ہوئے بوسکی کے رومال کے لیے قبر کو کھود کر لکڑی کے بکس کو چرانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی اور وہ بھی ایک ایسا رومال جو کسی وفا شعار بیوی نے اپنی محبت کی نشانی کے طور پر شوہر کو دیا ہو...... دال میں کچھ نہ کچھ کالا ضرور تھا جو سردست واضح نظر نہیں آرہا تھا۔ چودھری علی نواز کی ذات بھی میری نظر میں شک سے پاک نہیں تھی لہٰذا میں نے ٹٹولنے والے انداز میں اس سے استفسار کیا۔

''کیا اس بکس میں رومال کے علاوہ کوئی اور شے بھی موجود تھی؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں نے گہری نظر سے بکس کا جائزہ لیا تھا۔ اس رومال کے سوا مجھے وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔''

''اور تم نے......'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اپنے اباجی کی وصیت کے عین مطابق اس منقش چوبی بکس کو لاش کے ساتھ ہی قبر میں دفن کروا دیا تھا؟''

''جی...... جی ہاں!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں نے کہا۔ ''اور پھر گزشتہ رات کسی کم بخت نے چودھری رب نواز کی قبر کھود کر وہ بکس نکال لیا اور نو دو گیارہ ہوگیا......!'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس خارج کی اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

''ایک معمولی سے رومال کے لیے چوری کا اتنا بڑا اور سنگین اقدام میرے ذہن کے لیے قابل قبول نہیں علی نواز...... یا تو رومال کے علاوہ اس بکس میں اور کچھ بھی تھا...... یا پھر وہ کڑھا ہوا رومال کسی شخص کے لیے بے پناہ اہمیت کا حامل تھا اگر میں تمہاری بات پر یقین کرلوں کہ بکس میں اور کچھ بھی نہیں تھا تو پھر تمہیں بتانا ہوگا کہ تمہارے باپ کے علاوہ اور کس شخص کی نظر میں اس رومال کی اہمیت تھی...... یہ بات تمہارے سوا اور کوئی شخص بہتر طور پر نہیں بتا سکتا۔''

''جناب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس بات میں کوئی شک و شبے کی گنجائش نہیں کہ بکس میں صرف وہی رومال رکھا ہوا تھا اگر وہاں کوئی اور شے بھی موجود ہوتی تو میری نظر سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے اباجی کی خواہش کے احترام میں بکس کو بند کر کے ان کی لاش کے ساتھ قبر میں رکھ دیا تھا اور جہاں تک آپ کے دوسرے خیال کا تعلق ہے......'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوا، ایک گہری سانس خارج کی اور اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''یہ معاملہ میری بھی سمجھ سے باہر ہے۔ امی جی کے انتقال کو کئی سال گزر چکے ہیں۔ اباجی طویل عرصے سے امی جی کی نشانی کو منقش بکس میں سنبھالے بیٹھے تھے۔ ایسا کوئی شخص دور دور تک مجھے دکھائی نہیں دیتا جو کسی بھی حوالے سے اس رومال میں کوئی دلچسپی رکھتا ہو......!''

اس نے الجھن زدہ انداز میں بات مکمل کی تو میں نے ایک امکانی خیال کے تحت یہ سوال پوچھا۔ ''علی نواز! تمہارے ننھیال میں ابھی کون کون باقی ہے، میرا مطلب ہے...... ایسے افراد جن کی عمریں مرحومہ صابرہ بی بی کے آس پاس رہی ہوں؟''

وہ میرے موہوم اشارے کی تہہ میں اتر گیا، جلدی سے مضبوط لہجے میں بولا۔ ''ملک صاحب! اس عمر کی ساری کھیپ مٹی میں مل چکی ہے۔ اباجی آخری آدمی تھے۔ ان سے کئی سال پہلے امی جی کا انتقال ہوا اور ان سے پہلے ان کے ہم عمر مرد اور عورتیں دوسری دنیا میں منتقل ہو چکے تھے۔'' وہ تھوڑا متوقف ہوا پھر گہری سنجیدگی سے بولا۔

''ایسی ویسی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی جیسا کہ آپ سوچ رہے ہیں......!''

''ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہوسکتی......'' میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔ ''بکس میں بھی ایسی کوئی قیمتی شے موجود نہیں تھی جس کے حصول کے لیے رات کی تاریکی میں چودھری رب نواز کی قبر کو کھودنے کا جواز سمجھ میں آسکتا۔ اب آجا کر ایک ہی زاویہ سمجھ میں آتا ہے۔''

''کون سا زاویہ ملک صاحب؟'' میرے خاموش ہوتے ہی اس نے سوال کر دیا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''اس صورت حال میں منقش بکس کی ''ذات'' بے پناہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ کیا وہ بکس واقعی لکڑی کا بنا ہوا تھا؟''

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیا مطلب جی......؟''

''مطلب یہ کہ......'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بکس کسی قیمتی دھات کا بنا ہوا ہو مثلاً سونے......!''

میں نے دانستہ پراسرار انداز میں جملہ نامکمل چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا۔ ''نہیں جناب، وہ بکس لکڑی ہی کا تھا اگر وہ کسی دھات سے بنا ہوتا تو مجھے فوراً پتا چل جاتا۔ لکڑی اور دھات کی بنی ہوئی اشیا کے وزن میں واضح فرق ہوتا ہے، یہ بات تو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں ملک صاحب!''

''ٹھیک ہے......'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''حاضر اسٹاک معلومات کی روشنی میں، میں تفتیش کو آگے بڑھاتا ہوں۔ انشاء اللہ! بہت جلد کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔''

میں نے ''حاضر اسٹاک'' کے الفاظ ایک خاص مقصد کے تحت ادا کیے تھے اور وہ یہ کہ اگر چودھری علی نواز نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی ہو تو اس سے پردہ اٹھادے لیکن کوئی انکشاف کرنے کے بجائے اس نے تعاون آمیز لہجے میں کہا۔

''میں بھی آنکھیں اور کان کھلے رکھوں گا اگر کوئی خاص بات مجھے پتا چلی تو میں فوراً آپ کو بتاؤں گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' میں نے سرسری سے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''یہ اچھو کا کیا چکر ہے؟''

''اچھو!'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ ''کیا ہوا اچھو کو......کیا آپ کا شک اس کی طرف جارہا ہے......؟''

''فی الحال تو میرا شک ہر طرف جارہا ہے......!'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''جب تک اس شخص کا سراغ نہیں مل جاتا جس نے چودھری رب نواز کی قبر کی بے حرمتی کی ہے، میں ہر چہرے کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھوں گا۔ اچھو کے بارے میں، میں نے ایک خاص حوالے سے پوچھا تھا......'' میں نے لمحاتی توقف کیا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے پتا چلا ہے، اچھو بڑے چودھری صاحب کے بہت قریب رہا ہے۔ ایک طویل عرصے تک وہ مرحوم کی خدمت کرتا رہا ہے پھر اسے بالکل الگ کردیا گیا۔ اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''خاص وجہ تو کوئی نہیں جناب!'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''بس جی، ہر انسان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ ابا جی کے اپنے معاملات تھے۔ انہوں نے اچھو کو کچھ زیادہ ہی سر پر چڑھا رکھا تھا۔ اس بات کے لیے میں نے کبھی ابا جی کی مخالفت نہیں کی تھی پھر ابا جی بیمار رہنے لگے اور لوگوں سے ان کا ملنا جلنا کم ہوتا چلا گیا۔ ان حالات میں اچھو کا وجود مجھے فضول اور بے کار نظر آنے لگا اور میں نے اسے چلتا کردیا۔''

''اور اس کی جگہ دلدار حسین کو رکھ لیا......؟''

''ظاہر ہے جناب، مجھے تو اپنا کام چلانا ہے نا!'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اپنی ضرورت اور سہولت کے تحت دلدار حسین کو رکھ لیا۔''

میں نے تائیدی انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس واقعہ کے بارے میں سب سے پہلے مجھے مائی سگی نے اطلاع دی تھی، یہ الگ بات کہ اس کی سوچ ایک مخصوص دائرے میں بند تھی۔ اس کے مطابق کوئی مردہ قبرستان سے نکل کر اس کے گھر کے صحن میں پہنچا تھا، مذکورہ مردے نے اس کے نلکے پر کیچڑ والے پاؤں دھوئے اور قبرستان کی مغربی سمت واقع، چھوٹی نہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ ہر شخص اپنی سمجھ بوجھ اور علم وعقائد کی روشنی ہی میں کوئی نظریہ یا رائے قائم کرتا ہے۔ مائی سگی نے بھی ایسا ہی کیا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ میں اس کی رائے سے اتفاق بھی کرلیتا، البتہ میں نے اس کے جذبات کا احترام اور اس سے کیے ہوئے وعدے کا پاس کرتے ہوئے کسی بھی شخص سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا کہ آج صبح وہ مجھ سے ملنے تھانے آئی تھی۔

میں نے چودھری علی نواز کو چند ضروریات ہدایات دیں اور جانے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے میری تقلید میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''ملک صاحب! آپ یہاں سے سیدھے تھانے جائیں گے نا؟''

''ہاں علی نواز۔'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تھوڑی دیر میں شام ہونے والی ہے اور موسم کا بھی کوئی بھروسا نہیں......اس لیے بہتر یہی ہے کہ تھانے جاؤں۔ ویسے بھی بخشی پور میں تفتیش کے امکانات پر پانی پھر گیا ہے۔''

''کیا مطلب جناب؟'' اس نے حیرت بھری نظر سے میری طرف دیکھا۔

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''چودھری علی نواز! آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ پچھلی رات اور آج دن کے پہلے حصے میں بھی وقفے وقفے سے بارش کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ یہ بات بھی طے ہے کہ بڑے چودھری جی کی قبر کو گزشتہ رات کسی وقت کھولا گیا تھا لہٰذا بارش کی وجہ سے اس بات کے امکانات صفر کے برابر ہوکر رہ گئے ہیں کہ کسی کھوجی کی مدد سے قبر کھودنے والا کھرا نکالا جاسکے۔ ویسے......'' میں نے لمحاتی توقف کرکے گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل

کرتے ہوئے کہا۔

''ویسے میں کل کسی وقت ادھر کا چکر لگاؤں گا۔ تمہیں تازہ ترین حالات سے آگاہ کرنے کے علاوہ چند لوگوں سے مزید پوچھ گچھ بھی کروں گا۔ مجھے پوری امید ہے، جلد ہی اس شخص کا کوئی سراغ مجھے مل جائے گا جس نے تمہارے باپ کی قبر کی بے حرمتی کی ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب......!'' وہ متذبذب انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ ''علی نواز! اچھی طرح سوچ کر بتاؤ، یہ راز اور کس کس کو پتا تھا کہ بڑے چودھری صاحب نے تمہیں مخصوص ہدایات کے ساتھ لکڑی کا کوئی بکس دیا تھا؟''

''انہوں نے بڑی رازداری کے ساتھ وہ بکس مجھے دیا تھا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میرے خیال میں یہ بات اور کسی بھی شخص کو معلوم نہیں کہ اس بکس کے اندر کیا تھا اور وہ بکس کس نے مجھے دیا تھا۔''

''لیکن تدفین کے موقع پر تو یہ بات راز نہیں رہی ہوگی۔'' میں نے ایک امکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بڑے چودھری صاحب کی لاش کے ساتھ جب وہ بکس بھی قبر میں رکھا گیا ہوگا تو لوگوں کی اس پر نظر تو پڑی ہوگی؟''

''لوگوں کی نہیں......صرف گورکن کی۔'' وہ پُروثوق لہجے میں بولا۔ ''اباجی کو جب قبر میں اتارا جا چکا تو اس وقت قبر کے اندر صرف میں اور گورکن حیات بخش ہی موجود تھے۔ تدفین کی غرض سے وہاں آنے والے باقی افراد کو میں نے ایک فاصلے تک محدود کر دیا تھا۔ صرف گورکن جانتا ہے کہ میں نے اباجی کی لاش کے پہلو میں اس منقش چوبی بکس کو بھی دفن کیا تھا۔''

''ہوں......!'' میں نے معنی خیز انداز میں ایک گہری سانس خارج کی اور چودھری علی نواز کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''گورکن نے اس بکس کے حوالے سے کوئی تو سوال کیا ہوگا؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اس نے ایسی جرأت نہیں کی۔''

''جرأت نہیں کی۔'' کے الفاظ اس نے کچھ ایسے انداز میں ادا کیے تھے جیسے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہو کہ اگر گورکن حیات بخش ایسی کوئی جسارت کرتا تو وہ پلک جھپکتے میں اس کا سر تن سے جدا کر دیتا......!

میں نے ٹٹولنے والی نظر سے علی نواز کو دیکھا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔ ''اگر گورکن اس بکس کے حوالے سے کوئی سوال کرتا تو تم اسے کیا جواب دیتے چودھری؟''

''میں نے اس سلسلے میں ایک ذہن بنا رکھا تھا ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اس نوعیت کے سوال کے جواب میں اسے یہی کہتا کہ اس بکس کے اندر مخصوص قسم کی اسلامی دعائیں ہیں جو اباجی کے سفر آخرت میں آسانی پیدا کرنے کے لیے لاش کے ساتھ دفن کی جا رہی ہیں۔''

میں معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

بعض لوگ تدفین کے وقت کفن میں لپٹی ہوئی لاش کے ساتھ بعض قرآنی اوراق بھی رکھ دیتے ہیں۔ اس تناظر میں چودھری علی نواز کے ذہن نے خاصا زرخیز آئیڈیا سوچا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس آئیڈیا کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آئی۔

میں چھوٹے چودھری کو تسلی تشفی دینے کے بعد حویلی سے باہر نکل آیا۔ تھانے سے قبرستان تک میں چودھری علی نواز کے تانگے میں بیٹھ کر آیا تھا۔ اس کے دونوں حواری منصب علی اور دلدار حسین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ منصب علی نے کوچوان کے فرائض ادا کیے تھے۔ یہی فرض اسے واپسی کے سفر کے لیے بھی ادا کرنا تھا۔ وہ سجے سجائے تانگے سمیت حویلی کے باہر میرا منتظر تھا۔ میں نے نگاہ دوڑا کر دور دور تک دیکھا مگر دلدار حسین مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ میں تانگے میں آ کر بیٹھا تو وہ حرکت میں آ گیا۔

چودھری علی نواز کی حویلی گاؤں کے ابتدائی حصے میں واقع تھی لہٰذا ہم جلد ہی گاؤں سے نکل کر اس کچے راستے پر آ گئے جو لگ بھگ ایک فرلانگ کی مسافت پر مشتمل تھا اور بخشی پور نامی گاؤں کو مین روڈ سے ملاتا تھا۔ اسی پختہ سڑک پر میرا تھانہ واقع تھا اگرچہ اس کچے راستے کو حالیہ بارشوں نے کیچڑ اور گارے کا میدان بنا رکھا تھا لیکن میں بہ حفاظت اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

جب میں تھانے میں داخل ہوا تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی!

☆☆☆

حوالدار حیدر علی بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اس سے رسمی علیک سلیک کی اور سیدھا اپنے کوارٹر کی جانب بڑھ گیا جو تھانے کے عقبی حصے میں بنا ہوا تھا۔ حیدر علی میرا مزاج آشنا تھا۔ وہ فوراً سے پیشتر سمجھ گیا کہ نماز کا

وقت ہوگیا ہے اور میں اپنے رب کے حضور حاضری لگانے کے بعد ہی اس کے پاس آؤں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں میرے کمرے میں بیٹھے تازہ ترین صورتِ حال پر گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے بخشی پور میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور گہری تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس نے سر سراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ملک صاحب! یہ سارا کھٹ راگ اس چوبی منقش بکس کی وجہ سے پھیلا ہے اگر ہمیں یہ پتا چل جائے کہ مذکورہ بکس کے اندر کیا تھا تو مطلوبہ بندے تک رسائی حاصل کرنے میں بڑی آسانی رہے گی۔''

''اس بکس کے اندر...... جیسا کہ میں نے بتایا ہے، بوسکی کے ایک کڑھے ہوئے رومال کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا...... مرحومہ صابرہ بی بی کی نشانی جو اس نے اپنے شوہر چودھری رب نواز کے لیے چھوڑی تھی اس لیے چودھری اس نشانی کو اپنے ساتھ قبر میں لے جانے کا خواہشمند تھا......'' میں نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا اور خاموش ہوگیا۔

''یہ تو چودھری علی نواز کا بیان ہے نا جی۔'' حوالدار سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ ضروری تو نہیں کہ اس نے سچ ہی بولا ہو۔''

مجھے یہ دیکھ کر خوشی محسوس ہوئی کہ حیدر علی بالکل میرے انداز میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ کی مزید پرتیں کھولتے ہوئے کہا۔ ''اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟''

''ملک صاحب!'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''لکڑی کے کسی چھوٹے سے بکس اور اس میں رکھے ہوئے بوسکی کے کشیدہ رومال کو کوئی شخص کیوں چرائے گا اور وہ بھی برساتی رات کے آخری حصے میں کسی کی قبر کھود کر، نہیں، نہیں......!'' اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی اور اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں اس بکس کو معمولی نہیں سمجھ سکتا ملک صاحب! کسی نہ کسی حوالے سے اس کی اہمیت ضرور ہے، خاص طور پر اس چور کے لیے جس نے گزشتہ رات قبرستان میں چودھری رب نواز کی قبر کے ساتھ کارروائی کی ہے۔''

میں نے اس کی ذہانت کی مزید آزمائش کے لیے متذبذب لہجے میں کہا۔ ''لیکن مذکورہ بکس کی اہمیت کا اندازہ تو اسی وقت لگایا جاسکتا ہے جب وہ چور بکس سمیت ہماری گرفت میں آجائے۔ سب سے زیادہ ضروری اس چور تک پہنچنا ہے۔''

حوالدار نے میری توقع پر پورا اترتے ہوئے کہا۔ ''چور تک رسائی سے بھی زیادہ ضروری یہ جاننا ہوگا کہ اس بکس کو کس مقصد کے لیے چرایا گیا ہے یعنی بکس کی اہمیت کیا ہے؟''

''لیکن اس سوال کا جواب کون دے گا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے تھوڑی دیر پہلے بخشی پور کے حالات بیان کرتے ہوئے حوالدار کو چیچک زدہ چہرے والے اسلم عرف اچھو کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ اس کے دماغ نے درست سگنلز پکڑے اور چونکتے ہوئے لہجے میں اس نے کہا۔

''میرے خیال میں ہمیں اچھو پر ٹرائل کرنا چاہیے۔ وہ چودھری رب نواز کے بہت قریب رہا ہے...... اس کے رازوں کا امین اور اس کا وفادار......!''

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ یہ جملہ ادا کیا جیسے اس زاویے سے میرے ذہن میں پہلے کچھ نہ ہو حالانکہ... ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں حوالدار کو چیک کرنے کے لیے جو سوالات کر رہا تھا وہ دراصل میری اپنی سوچ تھی۔ وہ میرے الفاظ سے خوش ہوگیا تو میں نے مزید کہا۔ ''حیدر علی! تم کل صبح اس مشکوک بندے اچھو کو پکڑ کر تھانے لے آؤ پھر اس سے پوچھ تاچھ کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جناب!'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''یہ کام میرے ذمے رہا۔ آپ اس سلسلے میں بالکل بے فکر ہوجائیں۔''

اور میں واقعی بے فکر ہوگیا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں نے حوالدار حیدر علی کو گاؤں کی طرف روانہ کردیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مائی سکی تھانے پہنچ گئی۔ اس روز مطلع بالکل صاف تھا۔ پچھلی رات تھوڑی دیر کے لیے بوندا باندی ہوئی تھی لیکن صبح ہونے تک یہ سلسلہ رک گیا تھا اور اب آسمان پوری طرح کھلا ہوا تھا۔

مائی سکی سیدھی میرے کمرے میں آگئی۔ میں نے اسے بیٹھنے کو کہا اور بغور اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ آج اس کی آنکھوں اور چہرے پر وہ وحشت اور الجھن نظر نہیں آتی تھی جو گزشتہ روز دیکھنے میں آئی تھی تاہم میں نے خاصے شگفتہ لہجے میں اس سے پوچھ لیا۔

''مائی! کیا پچھلی رات کوئی اور مُردہ فرار ہوگیا ہے؟''

اس کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات نمودار ہوئے، قدرے ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ ''وہ جی......

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ کوئی مردہ نہیں تھا۔''
''اچھا......!'' میں نے گھور کر اسے دیکھا۔ ''وہ کوئی مردہ نہیں تھا تو پھر کون تھا......اور تمہیں اپنی کس غلطی کا احساس ہو گیا ہے؟''
''مجھے پتا چلا ہے کہ اس رات کسی چور نے بڑے چودھری صاحب کی قبر کو کھولا تھا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگی۔ ''اڑتی اڑتی میرے کانوں تک پہنچی ہے کہ چھوٹے چودھری جی نے بڑے چودھری صاحب کی لاش کے ساتھ لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس بھی دفن کر دیا تھا۔ وہ چور اسی بکس کو چرانے آیا تھا۔ چور نے خود کو سفید لباس میں چھپا رکھا تھا اور جب اس نے میرے نلکے پر پاؤں دھوئے تو میں یہی سمجھی کہ وہ کوئی مردہ ہے۔ اس نے جو تھیلا نلکے سے تھوڑے فاصلے پر رکھا تھا یقیناً چوری شدہ بکس اسی تھیلے میں ہو گا۔ پتا نہیں، بکس کے اندر ایسی کون سی خاص چیز تھی جو چور نے اپنی جان پر کھیل کر یہ کارروائی کی......!''
بات مکمل کر کے اس نے ایسے انداز میں میری طرف دیکھا جیسے براہ راست مجھ سے سوال کر رہی ہو۔ میں نے قدرے تیکھے لہجے میں پوچھا۔
''تو تم آج یہ جاننے آئی ہو کہ اس بکس کے اندر کیا تھا؟''
''...... یہ تو بس...... ایسے ہی میرے ذہن میں آ گیا۔'' وہ گڑبڑا گئی۔ ''میں تو آپ سے کچھ اور ہی کہنے آئی تھی......!''
''کیا......؟'' میں نے اس کے چہرے پر نظر جما دی۔
اس نے بتایا۔ ''کل آپ تفتیش کے لیے گاؤں آئے تھے۔ آپ نے قبرستان جا کر بڑے چودھری صاحب کی قبر کا معائنہ کیا پھر گورکن سے پوچھ تاچھ کی اور آخر میں حویلی میں جا کر چھوٹے چودھری جی سے بھی ملاقات کی......!''
وہ سانس ہموار کرنے کے لیے متوقف ہوئی تو میں نے پوچھ لیا۔ ''ہاں، یہ سب تو ہوا تھا لیکن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ مجھ سے کیا کہنے آئی ہو؟''
''وہی تو بتا رہی ہوں جناب!'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ ''وہ بات دراصل یہ ہے کہ اس واقعے کے بارے میں سب سے پہلے میں نے ہی آپ کو بتایا تھا۔ کہیں آپ نے چودھری جی کو تو نہیں بتا دیا تھا۔ میں خوامخواہ کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتی۔''
''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مائی۔'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''جب میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا تو تمہیں اس سلسلے میں بالکل فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم آرام اور سکون سے اپنے گھر میں بیٹھو۔ تھانے چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح خوامخواہ تم گاؤں والوں کی نظر میں آ جاؤ گی۔ یہ معاملہ جیسے ہی کسی نتیجے تک پہنچتا ہے، میں تمہیں خود حقیقت سے آگاہ کر دوں گا۔''
اس نے تہہ دل سے میرا شکریہ ادا کیا اور مجھے سلام کر کے رخصت ہو گئی۔

☆☆☆

دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے حوالدار بخشی پور سے واپس آ گیا۔ بخشی پور گاؤں اور میرے تھانے کے درمیان صرف ایک فرلانگ کا فاصلہ حائل تھا۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق، حیدر علی کو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں واپس آ جانا چاہیے تھا لیکن اس کی واپسی لگ بھگ چار گھنٹے بعد ہوئی تھی۔
وہ میرے کمرے میں آیا تو میں نے پوچھ لیا۔
''حیدر علی! میں نے تمہیں بخشی پور بھیجا تھا۔ لگتا ہے تم خانیوال کی طرف نکل گئے تھے، اتنی دیر کیسے ہو گئی؟''
''ملک صاحب! آپ نے مجھے جو ڈیوٹی سونپی تھی، وہ تو پوری کرنا تھی نا۔'' وہ پراعتماد لہجے میں بولا۔ ''مطلوبہ بندے تک رسائی حاصل کرنے میں تھوڑی دیر ہو گئی۔''
''تھوڑی دیر......!'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''کیا اچھو بخشی پور میں موجود نہیں تھا؟''
''جی ہاں...... آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں جب وہاں پہنچا تو وہ موجود نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر سے پوچھ تاچھ کی تو پتا چلا وہ بخشی پور سے باہر گیا ہوا ہے۔ میں خالی ہاتھ واپس آ کر آپ کو کیا منہ دکھاتا لہٰذا وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے لگا پھر جیسے ہی اس نے گاؤں میں قدم رکھا، میں اسے پکڑ کر آپ کے پاس لے آیا ہوں۔''
''اوہ......!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور ستائشی نظر سے حوالدار کو دیکھنے لگا پھر پوچھا۔ ''وہ نامراد کہاں ہے؟''
''باہر برآمدے میں بینچ پر بیٹھا ہے۔'' حوالدار نے بتایا۔ ''اگر آپ کا حکم ہو تو پیش کروں۔''
''ہاں ضرور...... پہلی فرصت میں اسے میرے سامنے لاؤ۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔
حوالدار ''یس سر!'' کہتے ہوئے جانے کے لیے مڑا تو میں نے پوچھ لیا۔ ''حیدر علی! کیا تم نے اچھو سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ بخشی پور سے باہر کہاں گیا تھا؟''
''نہیں جناب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ سیدھا پکڑ کر آپ کے پاس لے آیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اسے اندر بھیجو!''

''او کے سر......!'' یہ کہتے ہوئے حوالدار کمرے سے نکل گیا۔

اچھو کل سہ پہر ہی سے میرے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ میری نظر میں اس کی ذات شکوک کی دبیز چادر میں لپٹی دکھائی دیتی تھی۔ اب حوالدار کی زبانی جو مجھے یہ پتا چلا کہ وہ گاؤں سے غائب تھا تو ان شکوک وشبہات میں سنسنی خیزی بھی شامل ہوگئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد حیدر علی اسے میرے پاس لے آیا۔

اچھو کی عمر لگ بھگ چالیس سال رہی ہوگی۔ بھاری بدن، درمیانہ قد اور توند باہر کو نکلی ہوئی۔ سر کے بیشتر بال اڑ چکے تھے، وہ پہلے ہی کمزور تھا، اس پر چیچک کے بدنما داغوں نے اس کے چہرے کو ڈراؤنا سا بنا دیا تھا۔ اس زمانے میں چیچک ایک خطرناک اور جان لیوا مرض سمجھا جاتا تھا۔

میں نے اچھو کو لکڑی کی بینچ پر بیٹھنے کو کہا اور حوالدار حیدر علی کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کر دیا۔ دراصل، فوری طور پر میرے ذہن میں یہ آئیڈیا آیا تھا کہ میں جبر، تشدد اور کسی قسم کی سختی کے بجائے اچھو پر ایک نفسیاتی طریقہ آزماؤں گا جس کے لیے تنہائی بہت ضروری تھی اسی لیے میں نے حوالدار کو کمرے سے باہر بھیج دیا اور مجھے پوری امید تھی کہ میرا یہ نفسیاتی حربہ ضرور کامیاب ہوگا۔

وہ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گیا اور خوف زدہ انداز میں سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے خوف کو کم کرنے کے لیے قدرے نرم لہجے میں سوال کیا۔ ''اچھو! یہ صبح ہی صبح تم کہاں چلے گئے تھے؟''

میرے دوستانہ رویے پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ شاید وہ مجھ سے ایسے سلوک کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ بدقسمتی سے زمانہ کوئی بھی رہا ہو، پولیس کے بارے میں عمومی تاثر خوشگوار نہیں رہا ہے۔ جب کسی شخص کو تھانے بلوایا جاتا ہے تو اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آتا ہے کہ بس، اب اس کی خیر نہیں ہوگی۔ اس میں عوام الناس کا زیادہ قصور نہیں بلکہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کا رویہ بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ عام لوگوں کو اس سے ڈر محسوس ہونے لگتا ہے۔

میرے سوال کے جواب میں اس نے بتایا۔ ''جناب! میں صبح نہیں بلکہ کل رات کو رستم آباد چلا گیا تھا۔''

''رستم آباد میں تم کس کے پاس گئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

رستم آباد نامی وہ گاؤں میرے تھانے کی حدود ہی میں آتا تھا اور بخشی پور سے محض تین میل کی دوری پر واقع تھا۔ اس نے جواب میں بتایا۔

''جی...... میں ادھر اعوان صاحب سے ملنے گیا تھا۔''

''کون اعوان صاحب؟''

''فیاض اعوان...... جو رستم آباد کے چودھری صاحب ہیں۔''

''تمہیں فیاض اعوان سے کیا کام پڑ گیا تھا؟''

''وہ جی...... بس ویسے ہی......!'' اس نے گول مول جواب دیا۔

میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''اچھو! بخشی پور کے حالات تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ایک دن پہلے چودھری رب نواز کی قبر کے ساتھ جو شرمناک واقعہ پیش آیا تم اس سے پوری طرح واقف ہو، کل سہ پہر کو جب میں قبرستان میں کارروائی کر رہا تھا تو میں نے وہاں تمہیں بھی دیکھا تھا، میں تم سے بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا لیکن تم نہایت ہی خفیہ انداز میں غائب ہو گئے۔ اسی پوچھ تاچھ کے لیے میں نے تمہیں تھانے بلایا ہے، سمجھ رہے ہو نا میں کس حوالے سے بات کر رہا ہوں؟''

''آپ یقین کریں سرکار......!'' وہ منت ریز لہجے میں بولا۔ ''مجھے نہیں پتا کہ بڑے چودھری صاحب کی قبر کے ساتھ کس نے چھیڑ خانی کی ہے......!''

''تمہیں نہیں پتا تو میں اس چھیڑ خانی کا سراغ خود ہی لگا لوں گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو مجھے معلوم ہو ہی گیا ہے کہ وہ چور چودھری رب نواز کی قبر میں سے کیا چرا کر لے گیا ہے......؟''

وہ جز بز سا ہو کر رہ گیا۔

اس کا یہ ردعمل میرے شک کو تقویت دینے لگا۔ اصولی طور پر میرے خاموش ہوتے ہی اچھو کو یہ پوچھنا چاہیے تھا...... چور قبر میں سے کیا چرا کر لے گیا ہے؟ اس نے مجھ سے ایسا کوئی سوال نہیں کیا تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ بکس والے ''راز'' سے بخوبی واقف ہے۔ میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''اچھو! تم میرے نرم رویے سے کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو جانا۔ اگر تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا تو میں تمہاری کھال کھنچوانے میں ایک لمحے کی دیر نہیں لگاؤں گا۔''

اس نے سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھا اور بکھرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مم...... میں نے...... کیا کیا ہے جناب......!''

''تم نے کچھ کیا ہے یا نہیں، اس کا حساب تو بعد میں کریں گے۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ تم فیاض اعوان سے ملنے کیوں گئے تھے۔ یہ جواب نہیں سنوں گا کہ......بس ویسے ہی......؟''

اسے یقین ہوگیا کہ میں اس کی جان چھوڑنے والا نہیں ہوں تو ایک بوجھل سانس خارج کرنے کے بعد اس نے تھکے ہوئے لہجے میں بتانا شروع کیا۔

''تھانے دار صاحب! آپ کو تو پتا ہی ہوگا کہ چودھری صاحب کی زندگی میں، میں ان کے بہت قریب ہوا کرتا تھا...... میں بڑے چودھری صاحب کی بات کررہا ہوں......!''

''ہاں، ہاں...... میں سب جانتا ہوں۔'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''تم بڑے چودھری کے خاص خدمت گار تھے اور اس کے ہر راز سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ رب نواز کی زندگی کا کوئی بھی گوشہ تمہاری نظر سے چھپا ہوا نہیں تھا لیکن اس کی...... زندگی کے آخری حصے میں تمہارے مخالفین کو سازش کا موقع مل گیا اور ان کا وار کارگر رہا...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں نا؟''

میں نے غیر محسوس انداز میں اس کا ''نفسیاتی علاج'' شروع کردیا۔ اس نے چونک کر دلچسپ نظر سے مجھے دیکھا اور جلدی سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب۔''

''اور اسی سازش کے نتیجے میں......'' میں نے ڈرامائی رنگ میں کہا۔ ''آج...... دلدار حسین تمہاری جگہ پر نظر آرہا ہے...... ہے نا؟''

''آپ نے سولہ آنے ٹھیک بات کی ہے تھانے دار صاحب۔'' وہ تائیدی انداز میں بولا۔ ''میں چھوٹے چودھری کے اسی رویے سے دلبرداشتہ ہوکر اعوان صاحب سے ملنے اُدھر رستم آباد گیا تھا۔ میرا کوئی آگے پیچھے تو ہے نہیں۔ بڑے چودھری صاحب کا سہارا تھا تو ان کے در پر پڑا ہوا تھا۔ اب ادھر بخشی پور میں میری اوقات کسی کتے جیسی ہوکر رہ گئی ہے۔ اعوان صاحب کے پاس اسی لیے گیا تھا کہ اگر وہ مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں تو میں بخشی پور کو خیر باد کہہ کر رستم آباد میں آباد ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

''پھر......!'' اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے پوچھ لیا۔ ''فیاض اعوان نے تمہاری عرضی کے جواب میں کیا کہا؟''

''انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں ایک ہفتے کے بعد دوبارہ ان سے ملوں۔'' اچھو نے بتایا۔ ''وہ اس معاملے میں کچھ سوچنا چاہتے ہیں۔''

''میرے خیال میں تو فیاض اعوان نے بڑی خوبصورتی سے تمہیں ٹال دیا ہے۔'' میں نے اچھو کو گھیرنے کی کوشش جاری رکھتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں یہ بات جانتا ہوں کہ چودھری رب نواز اور فیاض اعوان میں کبھی اچھے تعلقات نہیں رہے، بلکہ ایک طرح سے دشمنی ہی رہی ہے۔ اس پس منظر کی روشنی میں تم فیاض کے دشمن کے آدمی ہوئے۔ وہ تمہیں اپنی خدمت میں لینے کو تیار نہیں ہوگا۔''

''اگر بڑے چودھری صاحب زندہ ہوتے تو شاید اعوان صاحب ایسا ہی سوچتے جیسا آپ کہہ رہے ہیں۔'' اس نے عقلمندی کی بات کی۔ ''لیکن اب صورتِ حال بدل چکی ہے۔ میں نے اعوان صاحب کو چودھری علی نواز کے رویے کے بارے میں پوری تفصیل سے بتایا ہے اور مجھے بڑی امید ہے کہ وہ ایک ہفتے کے بعد میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔''

یہ جاننے کے لیے کہ اچھو راست گوئی کا مظاہرہ کررہا تھا یا مجھے چکر دینے کی کوشش میں تھا، میں نے اپنے نفسیاتی حربے کا فائنل ٹچ لگانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں میز پر کہنیاں ٹکا کر آگے کو جھک آیا اور سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

''اچھو! یہ سچ ہے کہ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا لیکن اگر تم مجھ سے بھرپور تعاون کے لیے تیار ہوجاؤ تو میں وقت کے پہیے کو تمہارے لیے الٹا گھما سکتا ہوں......!''

''جی......!'' اس کے چہرے اور آنکھوں میں الجھن کی پرچھائیاں لہرانے لگیں۔ متذبذب انداز میں بولا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں جناب۔''

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس ایک ایسا فارمولا ہے جس پر عمل کرکے میں تمہیں تمہاری کھوئی ہوئی پوزیشن دوبارہ دلوا سکتا ہے یعنی دلدار حسین کی چھٹی...... اور تمہاری بحالی......!''

''لل...... لیکن یہ سب...... کیسے ہوگا......؟'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ایسے......!'' میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ ''تم یہ سارا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو بس اتنا بتاؤ کہ تعاون کروگے؟''

''جناب! میں تو آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار ہوں۔'' وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ ''لیکن میری نظر میں یہ ممکن نہیں...... آپ مجھے سمجھائیں تو سہی، اتنا مشکل کام کیسے ہوگا؟''

''تم نے وہ بوڑھے گھوڑے والی مثال سن رکھی ہے؟''

میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''کون سی مثال تھانے دار صاحب......!'' وہ آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ ''میں اس مثال کے بارے میں تمہیں بتاتا ہوں اور مجھے یقین ہے، اس کے بعد تم اپنی بحالی اور دلدار حسین کی چھٹی کے حوالے سے ساری بات سمجھ جاؤ گے......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ٹٹولنے والی نظر سے اس کے چہرے اور آنکھوں کا جائزہ لیا۔ جب وہ کچھ نہیں بولا تو میں نے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کسی زمانے میں ایک گھوڑا بادشاہِ وقت کے استعمال میں تھا۔ جب وہ گھوڑا بوڑھا ہو گیا اور آئے دن بیمار رہنے لگا تو ایک دوسرے درباری گھوڑے نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہِ وقت کا دل جیت کر اس کے تصرف میں آ گیا۔ اس انقلابی تبدیلی پر بوڑھے گھوڑے کا دل ٹوٹ گیا۔ جب وہ بادشاہ کے استعمال میں نہ رہا تو دربار کو خیرباد کہہ کر جنگل میں آ گیا۔ بادشاہ کا ذاتی گھوڑا ہونے کے ناتے اس کی جو عزت و تکریم تھی، جب وہ باقی نہ رہی تو اس نے کنارہ کشی ہی میں بہتری جانی۔ جنگل میں وہ دلبرداشتہ اور بے کل سا گھوم رہا تھا کہ ایک شیر کی اس پر نظر پڑ گئی۔ اس نے گھوڑے کو اداس اور دل شکستہ دیکھا تو ہمدردانہ انداز میں استفسار کیا۔

''کیا ہو گیا بھئی! ایسے مریل مریل سے کیوں ہو رہے ہو؟''

گھوڑے کو شیر کے دوستانہ رویے پر بڑی حیرت ہوئی۔ حملہ آور ہونے کے بجائے وہ اس کی خیر و عافیت دریافت کر رہا تھا۔ بہرحال گھوڑے نے دلگرفتہ انداز میں اسے اپنی بپتا سنا دی۔ شیر نے اس کی دکھ بھری کہانی سنی تو تسلی آمیز انداز میں بولا۔

''یار! پریشان کیوں ہوتے ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسے ٹھیک ہو جائے گا شیر انکل!'' گھوڑے نے چوکنا انداز میں شیر کی طرف دیکھا۔ ''یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔''

اس ''ملیک سلیک'' اور ''حال احوال پرسی'' کے دوران میں گھوڑے نے شیر پر بڑی محتاط نظر رکھی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ امکان موجود تھا کہ شیر اسے باتوں میں لگا کر کہیں نرخرے پر جھپٹا نہ مار دے۔ اس کی یہ سوچ مین فطری تھی۔ شیر نے اس کے خدشات کے جواب میں کہا۔

''یہ کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو لیکن میں اسے تمہارے لیے آسان بنا سکتا ہوں۔''

''وہ کیسے......؟'' گھوڑے کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

''تمہیں میرے کہے پر عمل کرنا ہو گا۔'' شیر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

گھوڑے نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بولا۔

''ٹھیک ہے، شیر انکل! بتاؤ، کرنا کیا ہو گا؟'' شیر پراسرار لہجے میں گھوڑے کو اپنے منصوبے سے آگاہ کرنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد، شیر کے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے وہ دونوں بادشاہِ وقت کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس طرح حاضر ہوئے کہ بوڑھے اور کمزور گھوڑے کی چھب ہی نرالی تھی۔ وہ کسی نوجوان اور طاقتور گھوڑے کے مانند چل رہا تھا۔ شیر اس کے ساتھ ساتھ گھسٹتا ہوا جا رہا تھا۔ سب سے لطف والی اور دلچسپ بات یہ تھی کہ گھوڑے نے شیر کا کان اپنے منہ میں دبا رکھا تھا، دیکھنے میں یہ تاثر ابھر رہا تھا کہ گھوڑے صاحب، شیر کو کسی مریل چوہے کے مانند گھسیٹتے ہوئے دربار میں لا رہے ہیں۔ اس موقع پر شیر نے بڑی لاجواب اداکاری کی اور ہر لمحے خود کو مجبور اور لاچار ظاہر کیا۔

اس منظر نے بادشاہ وقت اور اس کے درباریوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ گھوڑے کے رعب، دبدبے اور طاقت نے وہاں موجود تمام لوگوں کو سانس روکنے پر مجبور کر دیا۔ اس پرفارمنس میں ماسٹر پیس بگھار لگانے کے لیے گھوڑے نے شیر کو بادشاہ کے سامنے پہنچا کر اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔ شیر نے سکھ کی سانس لی اور رحم طلب نظر سے گھوڑے کی جانب دیکھنے لگا۔

گھوڑے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''چلو بھاگو یہاں سے...... اب اگر تم نے جنگل میں کوئی مستی کی یا کسی کمزور جانور پر ہاتھ اٹھایا تو اتنا ماروں گا کہ آنے والی سات نسلیں گنجی پیدا ہوں گی۔''

شیر نے سراسیمہ نگاہ سے گھوڑے کی طرف دیکھا، اثبات میں گردن ہلائی اور دم دبا کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

اس ناقابلِ یقین منظر نے بادشاہ وقت کو بڑا متاثر کیا۔ وہ گھوڑے کی شہزوری اور رعب و دبدبے کو مان گیا چنانچہ اگلے ہی لمحے مذکورہ گھوڑے کو اس کی سابق پوزیشن پر بحال کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سازشی گھوڑے کی چھٹی کر دی گئی......''

یہاں تک بیان کرنے کے بعد میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جس طرح گھوڑے نے شیر کی پلاننگ کے مطابق عمل کیا، اسی طرح اگر تم بھی میرا کہا مان لو تو میں کوشش کر کے تمہیں علی نواز کی آنکھ کا تارا بنا سکتا ہوں پھر سازشی دلدار

حسین کو کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔"

وہ حیرت، مسرت اور تجسس کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تھانے دار صاحب! بات کچھ کچھ سمجھ میں آ تو رہی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نہ تو آپ شیر ہیں اور نہ ہی میں گھوڑا پھر یہ ڈراما کیوں کر رچایا جائے گا۔ اس بات سے میرا ذہن الجھ رہا ہے۔"

"یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "بس تم میری ہدایات پر چپ چاپ عمل کرتے جاؤ، باقی میں سنبھال لوں گا۔"

"لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا......؟" اس کی الجھن میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

میں نے اچھو کے ساتھ جس نفسیاتی کھیل کا آغاز کیا تھا اب اس کے اختتامی مراحل آن پہنچے تھے۔ کسی لوہار کی زبان میں لوہا گرم ہو چکا تھا......!

میں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "اچھو! علی نواز کے لیے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کے اباجی کی قبر کو کس نے کس مقصد کے لیے کھولا تھا۔ میں اسی مشن پر کام کر رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر چودھری علی نواز کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میں نے تمہاری مدد اور نشان دہی سے اس چور کا سراغ لگا لیا ہے جس نے چودھری رب نواز کی قبر کی بے حرمتی کی تھی اور......"

"لیکن میں تو اس چور اور پتھری والے بکس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا......" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بے ساختہ بول اٹھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ ایسے خاموش ہوگیا جیسے اس کی قوتِ گویائی اچانک سلب ہوگئی ہو۔

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔ "اچھو، تم پتھری والے کون سے بکس کا ذکر کر رہے ہو؟"

"جج......جی......کچھ نہیں......" وہ گڑبڑا کر رہ گیا پھر سہمی ہوئی الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا جیسے اس سے کوئی سنگین غلطی سرزد ہوگئی ہو۔

اب تک اچھو سے میری جو بھی گفتگو ہوئی تھی اس میں کسی بھی حوالے سے بکس کا ذکر نہیں آیا تھا۔ میں نے صرف چودھری رب نواز کی قبر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا تذکرہ کیا تھا جس کے جواب میں اچھو نے اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ میرے پھیلائے ہوئے نفسیاتی جال میں قدم رکھنے کے بعد اس کی زبان سے خود بخود بکس کا لفظ پھسل گیا تھا اور یہ لفظ بھی اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کوئی پتھری بھی جڑی ہوئی تھی۔

اچھو نے بے ساختگی میں چور اور پتھری والے بکس کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ گویا اس انکشاف نے میرا کام بہت آسان کر دیا تھا۔ اب میں اس کی جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اچھو! یہ...... "جی کچھ نہیں" سے کام نہیں چلے گا۔ تم نے مجھ سے تعاون کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے بتاؤ، یہ پتھری والے صندوق یا بکس کا کیا قصہ ہے؟"

اس کے چہرے پر ایسے تاثرات نمودار ہوئے جیسے وہ غلط بیانی کے لیے کوئی فوری بہانہ تلاشنے کی کوشش میں ہو۔ میں نے گھورتی ہوئی نظر سے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اچھو! اگر تم نے مجھے کوئی چکر دینے کی کوشش کی تو پھر مجھ سے کسی اور رعایت کی توقع نہ کرنا۔ میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں۔ شرافت سے بتا دو، پتھری والے بکس سے تمہاری کیا مراد تھی؟"

میرے دوٹوک انداز نے اسے دہلا کر رکھ دیا۔ ان لمحات میں وہ مجھے "نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن" کی کیفیت میں دکھائی دیا۔ معاملات کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"تھانے دار صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ادھر قبرستان میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ چور نے بڑے چودھری صاحب کی قبر کو کھود کر لکڑی کا کوئی بکس نکالا ہے۔ اسی لیے میری زبان سے بکس والی بات نکل گئی......"

اچھو کے کھوکھلے الفاظ سے واضح تھا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا۔ چوبی بکس کی چوری والی بات ابھی تک میرے، چودھری علی نواز اور گورکن حیات بخش کے درمیان تھی۔ میں نے قدرے سخت لہجے میں اچھو سے پوچھا۔

"بکس والی بات تم نے قبرستان میں کس کی زبانی سنی تھی؟"

"جی...... اب یہ تو مجھے یاد نہیں......" وہ کمزور سے لہجے میں بولا۔

میں نے بدستور اس کی نفسیات سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "اچھو! کوئی بات نہیں اگر تمہیں یاد نہیں تو میں یاد دلانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ چودھری رب نواز کی قبر کو کھود کر وہاں سے لکڑی کا ایک چھوٹا بکس نکالا گیا ہے۔ چودھری علی نواز کو اسی بکس اور مذکورہ چور کی تلاش ہے۔ میرے خیال میں تمہاری مدد کے بغیر یہ تلاش ممکن نہیں۔ مجھے یقین ہے، تم مجھے اس بکس اور چور تک پہنچا دو گے کیونکہ...... مذکورہ پتھری والے بکس کے بارے میں تم سے زیادہ اور کوئی

نہیں جانتا...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''
''جناب...... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی......'' اس نے کہنا شروع کیا۔
''بکواس بند کرو۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میں نے کڑک کر کہا۔ ''تم بڑے چودھری کے بہت قریب رہے ہو لہٰذا اس بکس کے حوالے سے تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ چودھری علی نواز صرف اتنا جانتا ہے کہ مذکورہ بکس میں کوئی ریشمی رومال رکھا ہوا تھا جو اس کی ماں صابرہ بی بی کی نشانی تھی۔ تم نے ''پتھری والے بکس'' کا ذکر کر کے اس کیس کو ایک نئے رخ پر ڈال دیا ہے۔ بتاؤ، پتھری کا کیا قصہ ہے؟''
''میری بات کا یقین کریں جناب۔'' وہ منت آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں کسی پتھری کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ تو بس ویسے ہی میری زبان سے نکل گیا تھا......''
''ٹھیک ہے اچھو! میں سمجھ گیا ہوں، شرافت کا رویہ تمہاری طبیعت سے لگا نہیں کھاتا۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس لیے اب میں تم سے کوئی سوال نہیں کروں گا، مجھے جو بھی پوچھنا ہوگا وہ تمہاری زبان سے پوچھوں گا...... وہی زبان جو پتھری کے معاملے میں بس ایسے ہی پھسل گئی تھی۔''
وہ منہ سے کچھ نہیں بولا، الجھن آمیز ڈری سہمی نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔
میں نے آواز دے کر حوالدار حیدر علی کو اپنے کمرے میں بلا لیا اور اچھو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔
''یہ آج کے دن کے لیے ہمارا مہمان ہے۔ اسے ''ڈرائنگ روم'' میں لے جاؤ اور اس کی خوب خاطر مدارات کرو۔ مجھے پتا چلا ہے، اس کی زبان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے لہٰذا ایسی ''ڈشوں'' سے اس کی تواضع کرو کہ زبان خودکار انداز میں چلنے کے قابل ہو جائے...... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''
''بڑی چنگی طراں سمجھ رہا ہوں ملک صاحب۔'' حیدر علی کسی قصاب کی طرح اچھو کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ ''آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ میں اس کی زبان کا بڑا شافی علاج کروں گا اگر یہ ''بولنے'' پر آمادہ نہ ہوئی تو میں اسے گدی سے کھینچ کر وہاں نئی زبان فٹ کر دوں گا جو صرف سچ بولے گی اور سچ کے سوا کچھ نہیں بولے گی۔''
اچھو کے چہرے کے تاثرات اور بدن کی حرکات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ حیدر علی کے ساتھ جانے کو تیار نہیں لیکن حیدر علی نے ایک ذرا رعایت کیے بنا اسے کالر سے دبوچا اور بے دردی سے دھکیلتے ہوئے اپنے ساتھ لے گیا۔

☆☆☆

یہ محاورہ ہر دور میں قابلِ استعمال ہے کہ...... لاتوں کے بھوت، باتوں سے نہیں مانتے۔ اس روز قبرستان میں چیچک زدہ اچھو کو دیکھ کر مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھوت سے کم نہیں، اسی لیے میں اس کی تلاش میں تھا پھر آج جب وہ مجھے میسر آ گیا تو میرے نفسیاتی ٹریٹمنٹ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ لاتوں کا متمنی ہے لہٰذا میں نے اسے حیدر علی کے حوالے کر دیا تھا جو کہ نتیجہ خیز ثابت ہوا۔
''سرکاری مہمان داری'' کا ''جسمانی لطف'' اٹھانے کے بعد، شام سے تھوڑی دیر پہلے اچھو نے مذکورہ بکس کی چوری کا اقرار کر لیا تھا۔ اس نے چودھری فیاض اعوان کے ایما پر چودھری رب نواز کی قبر کھول کر وہ بکس نکالا تھا اور اسے رستم آباد پہنچا دیا تھا۔ خود کو چھپانے کے لیے اس نے پورے بدن کو ایک سفید چادر میں لپیٹ رکھا تھا جبھی مائی سگی نے اسے کوئی مردہ سمجھا تھا۔ اس نے مائی سگی کے نلکے پر پاؤں دھوئے اور چھوٹی نہر کی جانب بڑھ گیا جہاں نہر کے کنارے خانہ بدوشوں نے جھگیاں ڈال رکھی تھیں۔ انہی جھگیوں میں اچھو کا ایک ساتھی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اچھو مذکورہ بکس کو لے کر ایک مخصوص جھگی میں پہنچا تو اس کا ساتھی مطمئن ہو گیا۔ عنایت نامی وہ بندہ رستم آباد کا رہنے والا تھا اور اچھو کی مدد کے لیے اس کے ساتھ آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے عنایت اور اچھو رستم آباد کی سمت روانہ ہو گئے۔
جب حوالدار حیدر علی اچھو کو ''تیار'' کر کے میرے پاس لایا اور اس کے اقبالی بیان کے بارے میں بتایا تو میں نے اچھو سے پوچھا۔
''صابرہ بی بی نے اپنے خاوند چودھری رب نواز کو کڑھے ہوئے رومال کی شکل میں جو نشانی دی تھی اس کا فیاض اعوان سے کیا تعلق ہے۔ فیاض اعوان نے وہ بکس کیوں چوری کرایا ہے؟''
میرے سوال کے جواب میں اچھو نے جو تفصیل بیان کی اس نے ''پتھری'' والا معما حل کر دیا۔
''تھانے دار صاحب!'' اچھو نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''وہ بکس دراصل دو حصوں والا ہے، اوپری حصے میں واقعی ایک ریشمی رومال رکھا ہوا تھا جو اعوان صاحب کے کسی کام کا نہیں۔ انہوں نے زعفرانی پتھری کو حاصل کرنے کے لیے وہ بکس چوری کرایا ہے۔ یہ پتھری اس بکس کے نیچے

والے خفیہ حصے میں موجود تھی۔ اوپر والے حصے میں ایک مخصوص کیل لگی ہوئی ہے جس پر دباؤ ڈالنے سے نیچے والا حصہ کھل جاتا ہے۔ چودھری علی نواز بکس کے خفیہ خانے سے واقف نہیں ورنہ وہ ضرور اس میں جھانک کر دیکھتا۔ میں چودھری صاحب کے بہت قریب رہا ہوں لہٰذا بکس کا راز مجھے معلوم تھا۔''

اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے سوال داغ دیا۔ 'لیکن اس پتھری میں ایسی کیا خاص بات ہے جسے حاصل کرنے کے لیے فیاض اعوان نے چودھری رب نواز کی قبر کھدوا ڈالی؟''

''وہ...... ایک کرشماتی پتھری...... ہے جناب۔'' اچھو ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''ایک سنیاسی بابا نے یہ پتھری چودھری صاحب کو تحفے میں دی تھی۔''

''کیا وہ پتھری...... پارس پتھر ہے؟''

''وہ پارس پتھر سے بھی آگے کی چیز ہے جناب۔''

اچھو نے پُراسرار انداز میں بتایا۔ ''پارس پتھر کو چھونے والی چیزیں تو سونا بن جاتی ہیں مگر اس زعفرانی پتھر کی خوبی یہ ہے کہ وہ مردے میں بھی جان ڈال دیتی ہے۔ بوڑھے سے بوڑھا مرد بھی اگر تھوڑی دیر کے لیے اس پتھری کو چاٹ لے تو وہ خلوت کے میدان میں جوان رعنا بن جاتا ہے...... آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا۔ آپ اس پتھری کو جادو کی چھڑی سمجھ لیں جناب۔''

''ہوں......'' میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی۔ میں چودھری رب نواز کی ''طبیعت'' کی جولانیوں سے واقف تھا۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ وہ خاصا سنگین و رنگین مزاج واقع ہوا تھا۔ اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کے قصے بھی میری سماعت تک پہنچتے رہتے تھے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کا بھرم کسی زعفرانی پتھری کا رہینِ منت تھا جو کسی سنیاسی بابا نے اسے عطا کر رکھی تھی۔ میں نے اچھو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اچھو......! اگر میں تمہارے کہے کو سچ مان لوں کہ یہ پتھری واقعی حیرت انگیز خوبیوں کی مالک ہے۔ کیا تم نے اس پتھری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہے؟''

''میں نے اسے بڑے چودھری صاحب کے پاس کئی مرتبہ دیکھا تھا جناب!'' اس نے جواب دیا۔ ''اس کے رنگ کے بارے میں، میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں۔ اب ذرا اس کا سائز بھی سن لیں......'' وہ لمحے بھر کو سانس لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''اس پتھری کی لمبائی چار انچ، چوڑائی ڈیڑھ انچ اور موٹائی صرف آدھی انچ ہے۔ میں نے پتھری کی جو خصوصیات بیان کی ہیں وہ مجھے چودھری صاحب کی زبانی پتا چلی تھیں۔ یہ وقتِ ضرورت سے دس پندرہ منٹ پہلے اس پتھری کو تھوڑی دیر کے لیے چاٹنا یا چوسنا پڑتا ہے۔ اس پتھری کے حیرت انگیز اثرات دورانِ خون میں ایک طوفان پیدا کر دیتے ہیں اور رگ و پے میں بجلیاں سی کوندنے لگتی ہیں۔ پتھری کو استعمال کرنے والے مرد پر ایک ہیجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور...... میں اور کیا بتاؤں جناب۔ آپ سمجھدار ہیں، خود ہی اندازہ لگا لیں......!''

اتنا بتانے کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ میں پتھری اور اس کے جادوئی اثرات کی تہہ میں پہنچ چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چودھری رب نواز کے بڑھاپے کی جواں مردی بھی مجھ پر آشکار ہو گئی لیکن ابھی تک بہت سے سوالات جواب طلب تھے۔ میں نے اپنے سامنے کھڑے اچھو سے پوچھا۔

''کیا اس پتھری کے راز سے چودھری علی نواز واقف ہے؟''

''میرا خیال ہے، اسے یہ راز معلوم نہیں ہے۔'' اچھو نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''اگر علی نواز کو پتھری کے کرشماتی اثرات سے آگاہی ہوتی تو وہ اپنے باپ کی موت کے فوراً بعد پتھری کی تلاش اور جستجو میں لگ جاتا اور لکڑی کا بکس اس کی ''کوشش'' کا خاص نشانہ بنتا۔ اسے یقین ہی نہ آتا کہ محض صابرہ بی بی کی ایک نشانی کو اپنے ساتھ دفن کرانے کے لیے چودھری رب نواز نے اس سے خواہش کا اظہار کیا تھا اگر علی نواز کو پتھری کے حوالے سے ذرا بھی سن گن ہوتی تو وہ مذکورہ بکس توڑ پھوڑ کر اس کی ایک ایک سوت جگہ کا معائنہ کرتا۔''

اچھو کی بات میں وزن تھا۔ وہ مرد کی فطرت کے عین مطابق اپنا تجزیہ پیش کر رہا تھا۔ میں اس کے دلائل کو جھٹلا نہیں سکتا تھا لہٰذا میں نے اس سے دریافت کیا۔

''اچھو! یہ بتاؤ، رستم آباد کے چودھری فیاض اعوان کو اس عمر میں رستم بننے کا خیال کیسے آ گیا...... میرا مطلب ہے، اسے جادوئی پتھری کے بارے میں کیسے پتا چلا؟''

میری معلومات کے مطابق مرحوم چودھری رب نواز نے چوہتر سال کی عمر پائی تھی اور فیاض اعوان بھی اس وقت ساٹھ کے پیٹے میں تھا۔ اچھو نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ اس کے انداز میں ایک خاص نوعیت کی ہچکچاہٹ پائی جاتی تھی۔

''وہ جی...... بات دراصل یہ ہے کہ...... جب سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا ہے تو یہ راز بھی چھپانے کی ضرورت

نہیں......"

"ہاں، ہاں بتاؤ۔ میں پوری توجہ سے تمہاری بات سن رہا ہوں۔" میں نے حوصلہ افزائی کرنے والے انداز میں کہا۔ "تم جتنا زیادہ سچ بولو گے، اپنی سزا میں اتنی ہی کمی کرو گے۔"

وہ قدرے مطمئن انداز میں بتانے لگا۔ "بڑے چودھری صاحب کو اس بازار میں جانے کا بھی شوق تھا۔ وہ شمع نامی ایک طوائف کے دیوانے ہوگئے تھے اور اسے دل کی باتیں بھی بتانے لگے تھے۔ اس پتھری کا راز ایک نازک موقع پر چودھری صاحب کی زبان سے پھسل کر شمع کی سماعت تک پہنچ گیا۔ فیاض اعوان بھی اس کوچے میں آتا جاتا رہتا تھا۔ جب شمع سے اس کی قربت بڑھی تو پتھری کا راز اس کی یادداشت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا پھر فیاض اعوان پتھری کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔" وہ چند لحات کے لیے متوقف ہوا، دو تین گہری سانسیں لیں اور سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"چودھری صاحب کے آخری دنوں میں، مجھے ان سے الگ کردیا گیا تھا۔ یہ بات فیاض اعوان کو پتا چلی تو اس نے اپنا ایک خاص بندہ بھیج کر مجھے رستم آباد بلایا۔ میں عنایت کے ساتھ اعوان صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے میری خوب خاطر تواضع کی اور بتایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے مجھے اپنا خاص آدمی بنا کر رکھنے کو تیار ہیں۔ میں بخشی پور کو چھوڑ کر رستم آباد چلا آؤں لیکن اس کے لیے مجھے اعوان صاحب کا ایک کام کرنا ہوگا......وہ کام تھا، پتھری کا حصول۔"

"یہ کام دیکھنے میں ایک طرح سے ناممکن تھا کیونکہ اب حویلی میں میری آمدورفت نہیں رہی تھی لیکن وہ کیا کہتے ہیں...... جب قدرت مہربان تو گدھا پہلوان......!" اس نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے اعوان صاحب سے کوشش کرنے کا وعدہ کرلیا تھا لہٰذا پتھری کے حصول کی تگ ودو میں لگ گیا۔ انہی دنوں چودھری صاحب کا انتقال ہوگیا اور میری خوش قسمتی کہ کسی طرح مجھے پتا چلا کہ ان کی میت کے ساتھ ایک چھوٹا سا بکس بھی قبر میں دفن کیا گیا ہے۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ بڑے چودھری صاحب کی وصیت کے مطابق جس بکس کو ان کی قبر میں دفن کیا جارہا ہے وہ وہی بکس ہے جس کے نچلے خفیہ خانے میں وہ طلسماتی پتھری چھپا کر رکھتے تھے...... اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں آپ اچھی طرح اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

"یہ اندازہ تو میں نے بخوبی لگالیا ہے اچھو!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہاری خوش قسمتی اور بدقسمتی کا میں بعد میں فیصلہ کروں گا۔ تم یہ مت سمجھنا کہ فیاض اعوان کے حوالے سے میں تمہاری باتوں پر آنکھیں بند کرکے یقین کرلوں گا۔ اس معاملے کی پوری تفتیش ہوگی۔ اس سلسلے میں، میں ابھی رستم آباد روانہ ہو رہا ہوں۔"

"آپ اپنی تسلی کرلیں جناب۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "میں نے آپ سے ایک لفظ کی غلط بیانی نہیں کی۔"

میں نے اچھو کو حوالدار حیدر علی کے حوالے کرتے ہوئے تاکید کردی۔ "اسے حوالات میں بند کردو۔ میں رستم آباد جارہا ہوں۔ اس کی قسمت کا فیصلہ وہاں سے واپسی پر کیا جائے گا۔" حیدر علی نے میرے حکم کی فوراً تعمیل کردی۔

☆☆☆

اس شام تو نہیں البتہ آئندہ روز میں علی الصباح رستم آباد پہنچ گیا اور فیاض اعوان سے ایک بھرپور ملاقات کی۔ جب اسے پتا چلا کہ پتھری کی کارکردگی اور چوری کا راز افشا ہوچکا ہے اور اچھو اس وقت میرے تھانے کے حوالات میں بند ہے تو اس کے لیے "فرار" کی راہیں مسدود ہوکر رہ گئیں۔ میں نے اسے راست گوئی پر مجبور کرنے کے لیے یہ ڈراوا بھی دیا کہ رستم آباد کا رخ کرنے سے پہلے میں نے ایس پی اور آئی جی صاحب کو اس معاملے سے آگاہ کردیا ہے لہٰذا چودھری فیاض اعوان کے ڈبے میں سے گھی نکالنے کے لیے مجھے انگلی کو ٹیڑھا نہیں کرنا پڑا۔ وہ پولیس کے اعلیٰ افسران کے نام سن کر ایک دم لائن پر آگیا تھا۔

دوپہر کے بعد میں طلسماتی پتھری والے منقش بکس کو لے کر تھانے آگیا۔ اچھو کی گرفتاری والی خبر چودھری علی نواز سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ تھانے میں میرا منتظر تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

"ملک صاحب! آپ کے چہرے کی رونق اور اعتماد سے لگ رہا ہے کہ آپ نے اس بکس کو حاصل کرلیا ہے اور......اچھو کی گرفتاری اسی سلسلے کی کڑی ہے؟"

میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارا اندازہ بڑی حد تک درست ہے لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ اس بکس کی اصلیت سے تم بے خبر کیوں تھے یا...... یہ کہ تم نے مجھے حقیقت سے آگاہ ہی نہیں کیا۔"

"آپ کون سی حقیقت اور اصلیت کی بات کررہے ہیں ملک صاحب؟" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اس کے سوالات

کے جواب دیتے ہوئے اسے بکس کی چوری کی روداد سنائی اور اس سلسلے میں اچھو وفیاض اعوان کے کردار کو اجاگر کیا۔ میری بات سننے کے بعد وہ ہکا بکا رہ گیا اور تھرتھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے تو اس پتھری کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں تھا۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ ابا جی نے امی جی کی نشانی......'' وہ بولتے بولتے ٹھہرا پھر نہایت ہی رازدارانہ انداز میں درخواست کی۔

''ملک صاحب! کیا میں اس زعفرانی پتھر کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں؟''

میں نے بکس کو مخصوص انداز میں کھول کر چودھری علی نواز کی خواہش پوری کردی۔ وہ حیرت بھری نظر سے مذکورہ پتھری کو دیکھتا رہا پھر رال ٹپکانے والے انداز میں پوچھنے لگا۔ اس کی جگہ کوئی بھی مرد ہوتا تو وہ شاید یہی سوال کرتا۔

''آپ اس پتھری کا کیا کریں گے ملک صاحب؟''

''میں اسے بہ حق سرکار ضبط کر کے متعلقہ افسران کے حوالے کروں گا۔'' میں نے کہا۔

''جیسا کہ آپ نے بتایا ہے......'' اس کی رگ حرص پھڑک اٹھی۔ ''کسی سنیاسی نے یہ پتھری ابا جی کو تحفے میں دی تھی۔ میں ابا جی کا وارث ہوں، ان کی وفات کے بعد ان کی چھوڑی ہوئی ہر شے پر میرا حق بنتا ہے لہٰذا یہ پتھری مجھے ملنی چاہیے۔''

''وراثت کے اصول کے تحت تو تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو علی نواز لیکن اس پتھری کے ساتھ ایک پیچیدگی ہے لہٰذا تم اس کی آس میں اپنا بلڈ پریشر نہیں بڑھاؤ۔ یہ تمہیں کسی بھی صورت ملنے والی نہیں۔''

''کیا...... کیا پیچیدگی ہے اس کے ساتھ؟'' وہ جذباتی لہجے میں بولا۔

میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''اول تو تمہارے باپ نے اس پتھری کو بکس کے تہہ خانے میں چھپا کر اسے منوں مٹی کے نیچے دفن کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ اس کا ترکہ نہیں بلکہ ایک فتنہ ہے جسے نہایت ہی رازداری اور خاموشی کے ساتھ چودھری رب نواز نے ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی۔ ہمیں اس مرنے والے کی آخری خواہش اور آخری کوشش کا احترام کرنا چاہیے۔ تمہارا باپ اس بات سے آگاہ تھا کہ اس پتھری سے فتنہ وفساد جنم لے سکتا ہے۔ ایک مثال تو تمہارے سامنے ہے۔ فیاض اعوان نے کس طرح تمہارے باپ کی قبر کی بے حرمتی کرا کے اس پتھری کو چوری کروایا تھا......'' میں نے سانس درست کرنے کے لیے لمحاتی توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ یہ پتھری اور اس کے حصول کی چارہ جوئی ہمیشہ انسانی ہلاکتوں کا باعث بنتی رہے گی لہٰذا اسے تلف کرنا بہت ضروری ہے تاکہ ایک بڑی خونریزی کا راستہ روکا جاسکے۔''

میرے اس مضبوط استدلال کے بعد علی نواز بجھ کر رہ گیا تاہم پتھری کے حصول کی آخری کوشش کرتے ہوئے اس نے دوستانہ انداز میں مجھے مشورہ دیا۔

''ملک صاحب! اگر آپ چاہیں تو گھر کی بات گھر ہی میں ختم ہوسکتی ہے۔''

''وہ کس طرح علی نواز؟'' میں نے پوچھ لیا۔

''جناب! بکس کی چوری والے کیس کو آپ یہیں ختم کردیں۔ اسے آگے بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ خاموشی سے یہ پتھری میرے حوالے کردیں۔ اس کے بدلے میں آپ جو بھی کہیں گے، میں آپ کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔''

''علی نواز! کسی خدمت شدمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''کیونکہ اب یہ گھر کی بات نہیں رہی۔ میں رستم آباد جانے سے پہلے ایس پی صاحب اور آئی جی صاحب کو اس پتھری کے حوالے سے رپورٹ پیش کرچکا ہوں۔''

میں نے فیاض اعوان کو سیدھا کرنے کے لیے بھی یہی چال چلی تھی حالانکہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ زعفرانی پتھری والا معاملہ پوری طرح میری دسترس میں تھا اور میرے اعلیٰ افسران کو اس واقعے کی قطعاً کوئی خبر نہیں تھی۔

میرے قطعی بیان نے علی نواز کے بھڑکتے ہوئے ارمانوں پر اوس کی دبیز اور ٹھنڈی ٹھار چادر بچھادی۔ وہ ایک مضمحل سی سانس خارج کرتے ہوئے شکستہ لہجے میں بولا۔

''آپ نے بہت بڑی غلطی کردی ملک صاحب! آپ اوپر بات کرنے سے پہلے مجھ سے تو ذکر کرتے میں...... میں......!''

اس کے ادھورے جملے نے مجھے بتا دیا کہ وہ کتنا خواہش مند بہ الفاظ دیگر کتنا ''ضرورت مند'' تھا۔ میں نے افسوسناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''یہ غلطی تو ہوچکی...... اب کچھ نہیں کیا جاسکتا علی نواز۔''

یہ ایسا موقع تھا کہ میں علی نواز سے بڑے سے بڑا فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن میرے ضمیر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ میں اس فتنہ انگیز پتھری کو تلف کرنے کا مصمم ارادہ کرچکا

تھا۔ اس میں کسی شک وشبہے کی گنجائش تلاش کرنا ممکن نہیں تھا کہ وہ ایک خونی پتھری ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کے حصول کی خاطر ایک مرد، دوسرے مرد کی گردن کاٹنے پر تیار ہو جاتا۔

میں نے ایک مناسب تسلی تشفی کے بعد علی نواز کو رخصت کردیا۔ وہ بادلِ ناخواستہ چلا تو گیا لیکن میں اس بات کے امکان کو فراموش نہیں کرسکتا تھا کہ وہ پتھری کے حصول کے لیے اوپری افسران کو کوئی بڑی پیشکش کرسکتا تھا۔ اس طرح میرا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا، میں نے اپنی سیفٹی کے لیے پتھر کے ایک ٹکڑے کو راتوں رات گھس کر زعفرانی پتھری کے سائز کا بنایا پھر اس کو زعفرانی رنگ میں رنگ کر پتھری سے منسوب کہانی کے ساتھ ایس پی علاقہ کی خدمت میں پیش کردیا۔

ایس پی صاحب نے پوری توجہ کے ساتھ میری بات سنی اور میری تیار کردہ پتھری کو ہاتھ میں گھمانے پھرانے کے بعد کہا۔

''صفدر حیات! مجھے تو یہ سب فکشن لگتا ہے۔ میں نے گیدڑ سنگھی اور ایسی طلسماتی پتھریوں کے بارے میں سنا تو ہے لیکن میرے خیال میں یہ واقعات قصے کہانیوں سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ بہرحال......'' وہ لمحے بھر کے لیے متوقف ہوئے پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں ایک ایسے ڈی ایس پی ہیں جن پر اس پتھری کے اثرات کو ٹیسٹ کیا جاسکتا ہے۔ میں تجربے کے لیے آج یہ پتھری انہیں دیتا ہوں۔ تم کل میرے پاس آجاؤ پھر اس سے بات کرتے ہیں۔''

میں خاموشی سے اٹھا اور واپس آگیا۔ مجھے اس بات کا ذرا بھی ملال نہیں تھا کہ میں نے پتھری کے حوالے سے اپنے ایک سینئر افسر سے غلط بیانی کی تھی۔ اصلی پتھری جس کے بھی ہاتھ لگتی وہ اس پر قابض ہونے میں ایک لمحہ ضائع نہ کرتا۔

اگلے روز میں دوبارہ ان کے پاس گیا۔ مجھے پتا تھا، وہ کیا جواب دیں گے، انہوں نے میری توقع کے عین مطابق کہا۔

''صفدر حیات! میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ یہ زعفرانی پتھری پتھر کے ایک ٹکڑے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اسے کسی کے سر میں مار کر خون تو نکالا جاسکتا ہے مگر رگوں میں دوڑنے والے خون میں کوئی طغیانی یا ہیجان پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ ڈی ایس پی صاحب نے اسے چاٹ چاٹ کر اپنی زبان بھی زخمی کرلی ہے لیکن نتیجہ صفر کے برابر ہی نکلا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے۔'' میں نے خیال افروز انداز میں کہا۔ ''چودھری رب نواز بہت بڑا گپ باز تھا۔''

''گپ باز نہیں، فکشنسٹ!'' ایس پی صاحب نے کہا۔ ''مرحوم میں ایک اچھے فکشن رائٹر کی خصوصیات پائی جاتی تھیں لیکن وہ خود تو مر گیا اور میرے لیے ایک مسئلہ کھڑا کر گیا ہے۔''

''کیسا مسئلہ سر؟'' میں نے چونک کر ایس پی صاحب کی طرف دیکھا۔

انہوں نے بتایا۔ ''میں نے جن ڈی ایس پی صاحب پر اس پتھری کا تجربہ کیا ہے نا، ان کی مجھ سے خاصی بے تکلفی ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے ان کا مذاق بنایا ہے۔ اس ''حرکت'' پر وہ مجھ سے خفا ہوگئے ہیں۔''

''سر! یہ جو کچھ بھی ہوا، میری وجہ سے ہوا ہے۔'' میں نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔''

''صفدر حیات! اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولے۔ ''تم اطمینان سے جاؤ اور اپنے تھانے کا نظام سنبھالو۔ میں ڈی ایس پی صاحب کو منالوں گا۔''

میں اٹھا اور خاموشی سے واپس آگیا۔

میں نے اپنی حفاظت کے لیے مضبوط پیش بندی کردی تھی۔ اب علی نواز، زعفرانی پتھری کے حصول کے لیے کتنا بھی اوپر جاتا، مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ جس بھی افسر کے سامنے مدعا بیان کرتا، اسے شرمندگی اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس زعفرانی پتھری کو ہتھوڑے کی مدد سے کوٹ کر ریزہ ریزہ کرنے کے بعد، رواں دواں نہر کے حوالے کردیا تھا ممکن ہے بعض لوگوں کو میرا یہ فعل پسند نہ آیا ہو اور وہ مجھ سے اختلاف رائے رکھتے ہوں۔

اختلاف رائے ایک اچھی اور خوش آئند بات ہے۔ اس سے جمہوریت کا حسن اور معاشرے کی صحت جھلکتی ہے مگر میں نے جو کچھ کیا وہ وسیع تر قومی مفاد کے لیے تھا۔ زعفرانی پتھری، گیدڑ سنگھی اور انہی جیسی دوسری کرشماتی چیزیں بعض لولے لنگڑے افراد کے لیے بیساکھی کا رول تو ادا کرسکتی ہیں لیکن ان کا حصول پرامن معاشرے کا سکون غارت کرکے اسے کشت وخون کی جانب مائل کرنے کا بھی سبب بنتا ہے۔ انتشار اور بدامنی پھیلانے والے عناصر اور اشیا کو نیست و نابود ہوجانا چاہیے خواہ وہ اپنے اندر ایک سے بڑھ کر ایک کرشماتی وصف ہی کیوں نہ رکھتی ہوں۔

آپ میری اس رائے سے بھی اختلاف کا حق رکھتے ہیں کیونکہ آج کل آپ ایک جمہوری معاشرے کی فضا میں سانس لے رہے ہیں!

(تحریر حُسام بٹ)